جلد ۱۰۸ ستمبر ۱۹۸۷ء عدد ۱

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مؤسس

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ تعالیٰ

ادارہ ترجمان القرآن، اچھرہ، لاہور

ترجمان القرآن لاہور

فہرست مضامین

جلد ۱۰۸ | ستمبر ۱۹۸۷ء مطابق محرم الحرام ۱۴۰۸ھ | عدد ۱

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵-اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

فون نمبر: ۶۸۶۳۶ — ۳۲۴۴۶۸

زر سالانہ تیس روپے — فی پرچہ ۳/- روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ایچ فاروق ایسوسی ایٹس لمیٹڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

دورِ سعادت و رحمت اور زمانۂ خلافتِ راشدہ کے بعد موروثی عجمی بادشاہت کے فتنے کا سر اُبھارنا، اللہ کے بندوں کو انسانی حکم و قانون کی لاٹھی سے من مانے راستوں پر ہانکنا، اختلافات کو برداشت نہ کرنا، بلکہ جرم قرار دینا، احتساب و تنقید کے دلائل کا جواب نہ دے سکنا، قوتِ جاہ کو عیش و عشرت اور رقص و سرود کے لیے استعمال کرنا، خدائی یا عوامی خزانے کو اپنی ذات اور اپنے اقربا اور اپنے خدام و معاونین اور اقتدار کے خاص خاص محافظین پر خرچ کرنا یا اختلاف و احتجاج کرنے والوں کا مقابلہ کرنے پر لٹھ اٹھانا، کمزور مذہبی شخصیتوں کے ضمیر خریدنا اور مضبوط علما کو دبانا اور کچلنا، مختلف اُمور میں دینی قدروں اور معیاروں کو چھوڑ کر لادینی ثقافتوں کو معیار بنا لینا —— گویا ملّت کے حق میں ہمیشہ کے لیے تباہی کا دہانہ کھل گیا۔

دوسرے لفظوں میں یہ فردِ واحد کے ذریعے چلنے والا سیکولرازم تھا۔ یعنی انفرادی زندگیوں میں کچھ نہ کچھ آرائشی اسلام ضرور رہے، لیکن اجتماعی، سیاسی اور بادشاہتی زندگی کے لیے جو فیصلے دیے جائیں وہ اسلام سے آزاد ہوں۔

سانحۂ کربلا کے وقت حالات کا نقشہ یہ تھا کہ:

—— ایک طرف بادشاہتی سیکولرازم کی تسلط یافتہ قوت —— یزید کی حکومت اور اس کے انصار و معاونین۔

—— دوسری طرف خلافتِ راشدہ کے طرز پر چلنے والے صحیح اسلامی نظام کی

علمبردارانہ قوت

امام حسینؓ اور بہم نوایانِ حسینؓ اور بہت سے صحابہ کرامؓ اور پاکیزہ فکر و کردار سے آراستہ تابعین جو تبدیلیٔ احوال کے لیے کسی مناسب تدبیر اور مناسب قیادت کے جویا تھے۔

امام حسینؓ کا کردار، "بے خطر کود پڑا" والا کردار تو تھا ہی، اُنھوں نے نہ خواص سے مشورہ کرنا ضروری سمجھا اور نہ عوام میں اپنی دعوت پہنچانا۔ بس یکایک ایک قافلۂ عشق چل پڑا۔

امام حسینؓ براہِ راست تصادم چاہتے تھے یا نہیں، اس سوال سے قطعِ نظر، یہ بہرحال واضح تھا کہ دو متضاد قوتیں آمنے سامنے موجود ہیں۔ سیکولرازم چونکہ برداشت نہیں کر سکتا کہ خدا پرستانہ بنیادوں پر کوئی اُسے چیلنج کرنے والا ہو، اس لیے وہ اور اُس کی سپاہ شدید انتقامی جذبے کے ساتھ مخالف آواز کو دبانے کے لیے نہایت بہیمانہ انداز سے خونریزی کرتے ہیں اور شرفِ انسانیت کو پامال کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ لہٰذا کربلا کے میدان میں یزیدی سیکولرازم اپنی بھاری اور وحشیانہ فوجی قوت ایک ایسے آدمی کے خلاف سمیٹ لایا جو نہ صرف حسب نسب کے لحاظ سے اشرف و اکرم تھا، بلکہ بغیر کسی فوجی تیاری کے اپنے بیوی بچوں اور چند اعزہ و احباب کے ساتھ نکلا تھا۔ خونخوار سیکولرازم نے اسے اور اس کے ساتھیوں اور قبیلے والوں کو پہلے پیاسا رکھ کر اذیت دی اور پھر بالکل ہی بھنبھوڑ ڈالا۔

لیکن نہ وہ دو متصادم قوتیں وہاں ختم ہوگئیں اور نہ ان کا سلسلۂ تصادم رُکا، بلکہ بعد کی ساری تاریخ انھی قوتوں کی جنگاہ بنی رہی اور آج بھی ہے۔

پیچھے جائیں تو پیچھے کی تاریخ بھی ایسی ہی تھی۔ قوتِ شر اور قوتِ حق کا تصادم پہلے روز سے چلا اور جاری رہا۔ داعیانِ حق کو ہمیشہ نفس پرستوں، اربابِ اقتدار، دولت پرستوں، حرام خواروں، سرمستانِ رقص و سرود، جرائم پیشہ اور فحش کار گروہوں سے سابقہ پڑتا رہا۔ ان میں سے کم دعوتِ حق سے متاثر ہوئے۔ اکثر کا حال یہ رہا کہ انھوں نے خدا کے

انبیاء کو قتل کیا - ان پر الزام لگائے، ان کو بستیوں سے نکالا، ان کی تعلیمات کا مذاق اڑایا اور ان پر ایمان لانے والوں کو اذیتیں دیں -

اسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے لے کر ہجرت تک ایمان لانے والوں نے معاندینِ حق کے ہاتھوں کتنے ہی آلام اٹھائے، ہجرت کرتے وقت اموال اور تعلقات اور جذبات کی کتنی بڑی قربانی دی، پھر کہیں قراء کی جماعتیں شہید ہو رہی ہیں، کہیں حضرت خبیب رضؓ اور زید بن سعنہ کو تنعیم کے میدان میں سولی پر لٹکایا جا رہا ہے - بدر و اُحد کے غزووں میں حضورؐ کے کیسے کیسے پیارے ساتھی شہید ہو رہے ہیں، پھر خندق میں، معرکۂ فتح مکہ اور جنگ اوطاس میں، غزوہ تبوک میں قدم قدم پر شہادت کے چراغ روشن ہیں -

این خانہ تمام آفتاب است

حضورؐ کے بعد ہی بعد دَورِ فاروقی میں جب فتوحات کا سیلاب روم و عجم کی طرف تیزی سے بڑھا تو سبائی اور مجوسی اور یہودی قوتوں کی سازباز کا سلسلہ شروع ہو گیا- اس فتنہ کا پہلا نشانہ حضرت عمر رضؓ کی ذات ہوئی، پھر حضرت عثمانؓ کی، پھر حضرت علیؓ کی بعض حضرات کا خیال ہے کہ حضرت حسنؓ بھی اسی سازش کی لپیٹ میں آگئے -اسی طرح جب بہت بڑے مؤثر افراد کو میدان سے ہٹا دیا گیا تو آخری ایک ہی ہلّے میں محمدؐ عربی کے نظامِ خلافت کو توڑ پھوڑ کر موروثی عجمی بادشاہت کے تخت کے پائے مسلمانوں کے کندھوں پر رکھ دیئے گئے پھر ہم نے ملوک و سلاطین کا لمبا دَور بھگتا - آج بھی سلاطین و آمرین کے ساتھ ساتھ سیکولر جمہوری آمرین کا تسلط ہے -

آج تک ملّت ماضی کے سازشیوں کے اُٹھائے ہوئے فتنوں میں اُلجھی ہوئی آپس ہی میں لڑ رہی ہے -

---

مسلمانوں کو بہ حیثیت اُمتِ وسَط آج یہ سوچنا چاہیے تھا کہ وہی یزیدیت موجودہ دَور میں بھی نئے نئے اطراف سے اور نئے وسائل سے ہم پر حملہ آور ہے -

آج کا دور عالمی یزیدیت کا دور ہے۔

یعنی ایک طرف دو سپر پاور ز روس اور امریکہ ہیں اور ان کے ساتھ ان دونوں کے دو ایجنٹ بھارت اور اسرائیل ہیں۔

یہ سامراجی یزیدیت کا سیکولر نظام مشرقین و مغربین پر یکساں چھایا ہوا ہے۔ قرضوں اور ایڈ کے بندھنوں کے ذریعے اب ملکوں اور قوموں کو اس طرح بستۂ فتراک کیا جاتا ہے جیسے پہلے کبھی ماہی گیری کی جاتی ہوگی۔ قرضوں اور ایڈ کے علاوہ دوستی کے معاہدے، مختلف منصوبوں میں کوئی خاص حصہ لینے کے معاہدے، ٹیکنالوجی منتقل کرنے کے معاہدے، درآمد برآمد کے ایسے معاہدے جو ہمارے شکاریوں کے لیے مفید ہوں، جنگی اسلحہ کی فروخت کے معاہدے جن کی کمائی بڑھانے کے لیے جنگیں چھیڑنے کے وجوہ دس دس سال پہلے سے قائم کر دیئے جاتے ہیں، مختلف کاموں میں امداد کے لیے بھاری تنخواہوں پر ماہرین کی فراہمی کے معاہدے، پھر یوایس اے کی سیاسیات میں شکار شدہ قوموں کا استعمال، پھر عالمی پروپیگنڈے کی دنیا میں ان کے لیے شایانِ شان جگہ کا انتظام وغیرہ۔ یہ تو ہوا عمومی پہلو۔

چند خصوصی پہلو یہ ہیں :

ایک یہ کہ خیالات و نظریات، سوچنے کے زاویے، پسند و ناپسند کے معیارات، حق و باطل کے تصورات وہ ہوں جو شکاری طاقتیں چاہتی ہیں۔

اس کے لیے خاص توجہ نظامِ تعلیم پر ہے۔ اس نظام کے ذریعے مغرب کے فلسفیانہ نظریات ہمارے ذہنوں پر ٹھونسے جاتے ہیں اور ساتھ ہی یہ اہتمام ہوتا ہے کہ کہیں طلبا کے ذہن آزادی سے کام لے کر کسی دوسرے طرزِ فکر ——— خصوصاً اسلامی علوم و حکمت ——— کی طرف مائل نہ ہو جائیں۔ ان میں اپنے ملک، اپنے دین، اپنے کلچر، اپنے علوم، اپنی تاریخ، اپنے بزرگوں اور اپنی کتبِ ہدایت کے متعلق اوّل تو مخالفانہ ذہن پیدا کیا جاتا ہے کہ یہ سب گھٹیا چیزیں ہیں اور خلافِ عقل، ورنہ کم از کم اس رویے کو کافی سمجھا جاتا ہے کہ مسلمان کتاب و سنّت اور اپنے اسلاف اور ان کے علوم اور اپنی تاریخ و ثقافت کو کوئی خاص اہمیت دیئے بغیر جدت و ترقی کو سلوگن بنا کر ہماری ذہنی غلامی کرنے لگیں۔ طلباء کو اپنی

قومی زبان کے متعلق مایوسی اور بددل کر کے یہ تصور دلایا جاتا ہے کہ تمہاری زبان بہت کمزور ہے وہ جدید علوم کے مباحث اور ان کی اصطلاحات کا بوجھ نہیں اٹھا سکتی۔ اس لیے نئے خیالات حاصل کرنے کے لیے تمہیں انگریزی پر توجہ دینی چاہیے۔ نتیجہ یہ کہ انگریزی ذریعہ تعلیم والے طبقے میں شاذ و نادر ہی کوئی شخص ہوگا جو کوئی بڑا تخلیقی کام کر سکا ہو۔ یہ ہماری تخلیقی قوتوں کو کچلنے کی ایک گہری اسکیم ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ ہم بھلمنساہٹ سے غلامی کرتے رہیں۔

علمی کتابیں انگریزی میں، رسائل انگریزی میں، میڈیا کے جدید نظاموں کے ذریعے خبریں انگریزی میں، تصویریں اور سیریاں انگریزی میں! مغربی لباس اور میک آپ اور دعوتیں اور مجالس انگریزی، ڈراموں کا مواد اور فن اور ان میں اداکاری انگریزی، ٹیلی وژن کے پروگراموں میں انگریزیت کا غلبہ، عام فلموں میں انگریزیت، مقابلے کے انٹرویوز اور ان کے سوالات انگریزی میں ـــــ کیسا ہمہ جہتی حملہ ہے۔

ماڈرن عورتوں کے مغربی فیشن اور میک اَپ، بچوں کے ولایتی لباس، کھیل اور نہانے کے لباس، طرح طرح کی مغربی تقریبیں، اور بات بات میں فوٹو بازی اور گھر گھر میں سیلی بازی کی غرضیکہ ہم لوگ ہر طرف سے گھرے ہوئے ہیں۔

پھر اس لادین سیکولر مغربی سامراج کا ایک ہدف یہ ہے کہ اسلام میں ابھرنے کی جو قوت اخلاقی و روحانی اور فکری و ثقافتی روح کے ساتھ کام کرتی ہے، اس قوت کو کچلنے اور ناکارہ بنانے کے لیے نہایت ضروری ہے کہ عورت کو پہلے حجاب سے، پھر دوپٹے سے، پھر پورے لباس سے آزاد کر دیا جائے۔ اسے اسٹیجوں پر لایا جائے، اسے ملازمتوں میں بھرتی کیا جائے، اسے مخلوط ثقافتی مجالس میں رونق افروز کیا جائے۔

اس ایک کام کے مکمل ہونے سے سیکولرازم کے راستے کھل جاتے ہیں۔ اور پھر مسلمانوں میں وہ قوتِ اجتہاد پیدا ہوتی ہے کہ نصوص کا بھی حلیہ بگڑ جاتا ہے۔

پھر اس سیکولر عالمی سامراج نے یہ کیا کہ مسلمانوں کے اندر طرح طرح کے فرقوں کو ہوا دی، انہیں مدد دے کر ابھارا اور جب جہاں ضرورت ہوئی ان کو لڑا کر ملتِ اسلامیہ

کے مقاصد کو نقصان پہنچایا۔

لادین سیکولر عالمی سامراج یہ چاہتا ہے کہ مسلمانوں میں معاشی لوٹ کھسوٹ جاری رہے۔ وڈیرا ازم زور شور سے چلے، رشوت گیری فروغ پائے۔ تخریب کاری نئے روپ میں نئے ناموں سے سود کو خوب فروغ حاصل ہو، حکومت اسلام کے محبت کے راگ الاپ الاپ کر ان فتنوں میں لگی رہے۔ سیاست کاری، قانون، ڈپلومیسی، حکم اور براہ راست اپنی دخل اندازی و سرپرستی کے ذریعے، نیز اخباری اور پارلیمانی پروپیگنڈے کے بل پر ایسے اداروں، ایسی سرگرمیوں، ایسی تقریبوں، ایسے اجتماعات اور ایسی شخصیتوں کو نوازا جائے، جن کے ذریعے بالواسطہ طور پر اسلام کی قوت کمزور ہو اور سیکولر ازم کے علمبرداروں کو زیادہ فراخ راستے ملیں۔

جن ممالک میں مسلمانوں کی اقلیت ہے، ان میں ان کو یا تو نسلی طور پر ختم کیا جا رہا ہے، ملک بدر کیا جا رہا ہے، یا اُن کے ناموں، ان کے سوشل رابطوں، ان کے پرسنل لاء کو بدلا جا رہا ہے۔ اور ان کی مذہبی عبادتوں اور تقریبوں اور مساجد وغیرہ کو ختم کیا جا رہا ہے، مثلاً برما، آسام، بھارت، یوگوسلافیہ، یونان، فلپائن، ایبے سینیا وغیرہ۔

جن ممالک میں (مثلاً نائیجیریا) مسلمانوں کی اکثریت تو ہے، مگر اُن کی تعلیمی پسماندگی (جو دورِ غلامی میں اُن پر مسلط کی گئی) کی وجہ سے عیسائی اقلیت اپنے آپ کو اکثریت گردانتی ہے اور فوجی افسروں اور ملازموں کی برتری کی وجہ سے مسلم عوام کی اکثریت کو دبا کچل کر رکھے ہوئے ہے۔

جن ممالک میں مسلمانوں کی مجموعی اکثریت کے ہوتے ہوئے کسی ایک حصے میں عیسائی اکثریت ہے۔ (مثلاً مصر و سوڈان) وہاں ہمیشہ ایسی خلل اندازی جاری رہتی ہے کہ مسلمان اپنے دین کے مطابق حکومت کو نہ چلا سکیں۔ عیسائی علاقے تعلیم، سرمائے، پروپیگنڈے اور مغربی مدد کے بل پر بار بار ہنگامے اٹھاتے ہیں۔

اب آتے ہیں وہ بدقسمت ترین علاقے جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور وہاں کسی بیرونی سے

ایسا سخت سیکولر نظام (بیرونی اثرات کی پشت پناہی یا اُن کے خوف سے) قائم کر دیا گیا ہے کہ جہاں کسی نے اس نظام سے اختلاف کیا اور اسلامی نظام کا نام لیا، قانون کا شکنجہ فوراً اُسے قابو میں لے کر موت کے گڑھے تک پہنچا دیتا ہے۔ اس کی مثال میں ترکی اور انڈونیشیا کو پیش کیا جا سکتا ہے۔

اور آخر میں انتہائی خجلت زدہ ہو کر ہم پاکستانی اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں کہ جہاں ابھی تک سیکولرازم انڈونیشیا یا ترکی کی طرح تو قوت نہیں پا سکا، لیکن اسلامی نظام کے وعدوں سے چالیس سال تک غداری کرتے رہنے کا انجام یہ ہے کہ اب سیکولرازم زور شور سے آنکھیں دکھا کر بولنے لگا ہے اور یہاں یہ عزائم ظاہر کیے جانے لگے ہیں کہ ہمیں سیکولر نظام چاہیے۔ اِن حالات میں شریعت بل کا پاس نہ ہو سکنا حیرت کی بات نہیں۔

اب اگر ہمارا معاملہ یوں ہی ہے تو فارمولا سیدھا سادا ہے کہ دو قوتوں میں سے کونسی قوت آئندہ ایک سال یا پانچ سال میں اتنا زیادہ اور موثر کام کر لے جاتی ہے کہ وہ میچ کو جیت لے جائے۔

دینی کام محض جلسے جلوسوں سے نہیں ہوتا۔ جلسے جلوس تو جذباتی کیفیت کو اُبھار دیتے ہیں۔ اور جذباتی مسلمان کا حال یہ ہے کہ وہ ضیاء الحق، جونیجو، حاجی سیف اللہ، نواز شریف، کسی جدیدی اور کسی اجتہادی کے پیچھے چل سکتا ہے۔ دینی کام کرنے کے لیے تو شعوری ایمان کی ضرورت ہوتی ہے۔ جماعتِ اسلامی کے تو اساسی نظریات میں یہ بات شامل ہے۔ ایک عام جذباتی مسلمان میں شعوری ایمان پیدا کرنے کے لیے اس سے میل جول اور اس سے گفتگو کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسے مسائل وقت کے متعلق دلائل مہیا کرنے ہوتے ہیں۔ اور اس کے شکوک و شبہات کا ازالہ کرنا ہوتا ہے، نیز سوالوں کے جواب دینے ہوتے ہیں۔ دعوت دینی تو ایک چھوٹا سا متحرک نظامِ تعلیمِ بالغاں ہے۔ اس بنیادی کام کو چھوڑ کر جلسوں کے ذریعے اگر آپ صرف جذباتی قوت سے لڑائی لڑیں تو فریقِ مخالف مغالطہ انگیزی

کر کے بھی بہت زیادہ جذباتی قوت سے آئے گا اور اس کے ساتھ سیکولرازم کا شعور بھی پھیلے گا، جس کے لیے پارلیمنٹ میں باتیں ہوتی ہیں، دانشور بھی لکھتے ہیں اور اخبارات اور ٹیلی وژن وغیرہ بھی زور لگا رہے ہیں، نیز کئی معلّم حضرات کلاس رُوموں میں اس کے لیے کام کرتے ہیں۔

اور یہ سیکولرازم "اسلامی" بھی ہے۔ یعنی اکابر سیرت کے جلسے کراتے ہیں، حاجیوں کے قافلوں کو الوداع کہتے ہیں۔ مزاروں کو غسل دے کر چادریں چڑھاتے ہیں، ان "اسلامی خدمات" کے بعد وہ ایک "ذرا سا" قصور یہ کرتے ہیں کہ "اسلامی شریعت" کو اختیار نہیں کرتے۔

میرے آہ و بکا کرتے ہوئے ہم قدم! عنابی آنسوؤں سے چہرے کو تر کرنے والے ہم عَلَم!
دیکھ کتنی بڑی جہانی یزیدیت سامنے ہے۔
کیسے کیسے کوفے چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں۔
کتنے ہی فرات ہیں جن کے کناروں پر پانی کے گھونٹ کا انتظار کرنے والے حلق تیر کھاتے ہیں۔
کتنے خیمے اُجڑ رہے ہیں۔
کتنی خواتین کے نقاب نُچ گئے۔
کتنی ہی بیٹیاں اسٹیجوں پر اپنے جسموں کی نمائش کر رہی ہیں۔
کہاں کہاں شراب و رقص کا طوفان برپا ہے۔
کس کس زمین میں سیدنا عمرؓ اور سیدنا حسینؓ کے پیروؤں کے لاشے تڑپ رہے ہیں۔
کن کن زمینوں پر خون کی ندیاں رواں ہیں۔
چھوڑو آہ و بکا! ختم کرو گریہ زاری ــــــ چلو اس سب سے بڑے طاغوت سے جا کر ٹکرائیں، اس سیکولرازم کو جھنجوڑ دیں۔
پھر چاہے، ہمارے لاشے بھی گھوڑوں کے سموں تلے روند دیے جائیں۔ چاہے ہمارے سر بھی کاٹ کر نیزوں پر سجا لیے جائیں۔
میرے ہم قدم! میرے ہم عَلَم! آؤ ہم نئے انداز کا محرم منائیں۔

حکمتِ سید مودودیؒ

حضرت حسینؓ سے نمونہ لیجیے!

اگر حکومت مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو اور غیر اسلامی طریقے سے چلائی جا رہی ہو تو مسلمانوں کو سخت اُلجھن پیش آتی ہے۔ قوم مسلمان ہے، حکومت مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے مگر چلائی جا رہی ہے غیر اسلامی طریقے پر، تو اس حالت میں ایک مسلمان کیا کرے۔ اگر حضرت حسینؓ ان حالات میں نمونہ پیش نہ کرتے تو کوئی صورت رہنمائی کی نہ تھی۔

حضرت حسنؓ اور حضرت معاویہؓ میں صلح ہو گئی تھی اور خلافت حضرت معاویہؓ کو حاصل ہو گئی تھی۔ بعد میں کتنی ہی باتیں ایسی سرزد ہوئیں جو حضرت حسینؓ کے نزدیک نامناسب تھیں، مگر اُنہوں نے حضرت معاویہ کو ہٹانے کی کوشش نہ کی۔ اس وجہ سے کہ ایک خلیفہ وقت سے ان کا معاہدہ ہو چکا تھا، دوسرے تلوار اُٹھانا ناگزیر نہیں ہو گیا تھا۔ اگر کسی مسلمان حکومت کا بگاڑ جزئیات میں ہے تو نظم ونسق درہم برہم کرنے کی کوشش روا نہ ہوگی، مگر جب بادشاہ یا خلیفہ نے اس حکومت کو موروثی بنانے کی کوشش کی تو اُصولی تغیر واقع ہو گیا۔ ایک خاندان نے حکومت کو اپنی جائیداد بنانے کا فیصلہ کر لیا تو انہوں نے اس کے روکنے کا فیصلہ کر لیا۔ خواہ اس میں ان کی جان جائے اور ان کا بچہ بچہ کٹ جائے۔

اسلامی حکومت کی اُصولی نوعیت یہ ہے کہ:

ا۔ ملک اللہ کا ہے۔

۲۔ اس پر حکومت مسلمانوں کی ہے۔

۳۔ جس حکومت سے مسلمان راضی ہوں وہ صحیح حکومت ہے۔

۴۔ جس کے ہاتھ میں حکومت ہو وہ ملک کے بیت المال اور خزانے میں اس طرح تصرف کرے جس طرح یتیم کے مال میں تصرف کرنے کا حکم ہے۔ یعنی اگر مفلس ہے تو بقدر کفاف اس میں سے لے، اگر غنی ہے تو اس سے اجتناب کرے۔

حضرت معاویہؓ بغیر رضامندئ عوام کے حکومت پر قابض ہو گئے تھے، ان کی حکومت میں مسلمانوں کی رضامندی کو کوئی دخل نہ رہا تھا اور ملک کے مال میں بھی تصرف ہونا شروع ہو گیا تھا۔ تاہم حضرت حسینؓ نے برداشت کیا۔ مگر جب اس میں یہ تغیر کیا گیا کہ حکومت کو موروثی بنا دیا جائے تو حضرت حسینؓ نے ولی عہدی کے نظام کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے کہا تھا کہ مجھے یزید کے پاس لے جاؤ میں اس کے ہاتھ پر بیعت کر لوں گا تو یہ درست نہیں۔ بلکہ انھوں نے کہا تھا کہ مجھے یزید کے پاس جانے دو اور پھر اس سے فیصلہ کرنے دو، خواہ وہ میرے قتل ہی کا فیصلہ کر دے۔

حضرت حسینؓ نے یہ نمونہ پیش کیا کہ اگر حکومت مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو اور وہ غلط راہ پر جا رہی ہو تو اس کے خلاف جدوجہد درست ہے۔

یہ حضرت حسینؓ ہی کا نمونہ تو ہے جو مسلمان حکومت کے بگاڑ کے وقت مسلمانوں کی رہنمائی کرتا ہے۔ اگر اس نمونے کو بھی چھوڑ دیا جائے تو نمونہ کہاں سے آئے گا۔ معاملہ صرف یہ نہیں کہ جگر گوشۂ رسولؐ کو قتل کر دیا گیا اور ہم نوحہ خوانی کے لیے بیٹھے ہیں، بلکہ نمونہ حاصل کرنے کا ہے۔

مولانا مودودیؒ کی تقریر۔ مورخہ ۱۰ر جون ۱۹۶۲ء سے اقتباس

بحوالہ "ایشیا" لاہور، مورخہ ۱۲ر جون ۱۹۶۲ء۔

اخذ و اقتباس کردہ۔ محمد یوسف صاحب۔ منصورہ۔

قرآن کا تصوّرِ علم

جناب ڈاکٹر سید مسعود احمد صاحب

علم کیا ہے؟ اس کی متعین تعریف کرنا مشکل ہے۔ الکندی سے امام غزالیؒ تک علم کی پانچ سو سے زائد تعریفیں (DEFINATION S) کی جا چکی ہیں۔ لفظ علم کے معانی ہیں جاننا، سیکھنا، دریافت کر لینا، الیقین و معرفت حاصل کرنا وغیرہ۔ قرآن مجید نے علم اشیاء (البقرہ: ۳۱)، علم ہدایت[1] علم صفات[2]، علم منطق[3]، علم غیب اور علم شہادت[4] وغیرہ مختلف علوم کا ذکر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کی حدود بہت وسیع ہیں۔ اس میں احوال و افعال، اوصاف و ذات اور زمان و مکان، مادہ و انرجی، روح و جسم، صنعت و حرفت جملہ مظاہر کائنات کی معرفت اس میں آجاتی ہے۔

حقیقت (REALITY) ایک معروضی (OBJECTIVE TERM & PRAGMATIC AFFAIR) چیز ہے اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ آیا حقیقت ایک ہے یا ایک سے زائد۔ اگر حقیقت ایک ہے تو وہ ہر چیز کی آخری (ULTIMATE REALITY) حقیقت ہو گی ۔۔۔

---

[1] الاعلیٰ: ۳ البلد: ۱۰ الدہر: ۳

[2] لقمان: ۲۷ الکہف ۱۰۹ [3] القیامہ: ۱۴ بنی اسرائیل: ۱، ۷۲، ۱۰۰

[4] الحشر: ۲۲ المومنون: ۹۲ الرعد: ۹ فاطر: ۳۸

جس سے بدیہی طور پر یہ نکتہ نکلتا ہے کہ اُس آخری حقیقت کا عرفان ہی جستجوئے حقیقت کا منتہائے مقصود ہونا چاہیے۔ اور اگر حقیقت متنوع المظہر (DIVERSIFIDE FACTS) صفت ہے تو نیرنگی و تنوع کی بنیاد پر مختلف حقائق کو الگ الگ بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ اس اختلاف رائے کا ہماری بحث پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ قرآن کی رُو سے "الحق" (ULDIMATE AND ABSOLUTE REALITY) اللہ تعالٰی کی ذات ہے (المومنون: ۱۱۶، طٰہٰ: ۱۱۴) البتہ انسان کی خلافتِ ارضی اور تسخیرِ کائنات جیسی گراں بار ذمہ داریوں کا یہ تقاضا ہے کہ اُس "اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ" (آل عمران: ۶۰، الحج: ۵۴) کے مختلف مظاہر کو وہ سمجھے۔ کیوں کہ قرآن کائنات کے آئینہ میں خالقِ کائنات کی معرفت اور احساسِ ذمہ داری کا تصور پیدا کرنا چاہتا ہے (آل عمران: ۱۹۰ - ۱۹۱) اور قرآن کی رُو سے علم کا صحیح مصرف یہ ہے کہ انسان خلافتِ الٰہیہ کی گوناگوں ذمہ داریوں کی بہترین ادائیگی کے قابل ہو جائے۔ علم اسی مقصد کے حصول کے لیے اُسے دیا گیا تھا۔ (البقرہ: ۳۰، ۳۳)۔

علم کے معانی و مفاہیم کسی شے یا صفت کے حقیقی اور جامع مفہوم کو متعین کرنے کے لیے عموماً چار طریقے استعمال کیے جاتے ہیں:

۱۔ خود اس شے یا صفت کے استعمالات دیکھے جائیں۔
۲۔ ظروفِ اشیاء کے معانی سے استنباط کیا جائے۔
۳۔ اشیاء کی ضد کے معانی و مفاہیم سے ان کا مفہوم متعین کیا جائے۔
۴۔ اس شے سے قریب تر اشیاء کے استعمالات سے اس کے معانی کا تعین کیا جائے۔

مندرجہ بالا چار طریقوں سے علم کا مفہوم متعین کرنے کے لیے ہم بحث اس طرح کر سکتے ہیں کہ اوّلاً خود صفت علم کے مختلف قرآنی استعمالات کا تجزیہ ہو، ثانیاً یہ دیکھا جائے کہ قرآن کے نزدیک علم والے کون ہیں۔ اس کی روشنی میں اس کے مفہوم کا تعین کیا جائے۔ ثالثاً جہل و جہلاء کے استعمال کی روشنی میں ضدِ جہل یعنی علم کے معانی متعین کیے جائیں۔ رابعاً علم کے ہم معنی الفاظ مثلاً تعقل، تفقہ، حکمت اور ہدایت وغیرہ کا قرآنی تصورِ علم کے معانی جاننے کے لیے استعمال کیا جائے۔

علم والوں کے ضمن میں قرآن مختلف الفاظ استعمال کرتا ہے مثلاً اوتوا العلم، علماء، عالمون

اولی العلم، ذی علم، راسخون فی العلم وغیرہ۔

قرآن مجید میں نو مقامات پر اوتوا العلم (جنھیں علم دیا گیا) کا تذکرہ ہے۔ (الحج: ۵۴)[1] ایک مقام پر اوتیناہ العلم (ہمیں علم دیا گیا) آیا ہے۔ (النمل: ۴۲)۔ ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ علم والے آیات و بینات کی روشنی میں اللہ پر (العنکبوت: ۴۹) یوم آخرت پر (الروم: ۵۶، القصص: ۸۰) اور قرآن پر (بنی اسرائیل: ۱۰۷)[2] ایمان لے آتے ہیں اور ایمان والوں اور علم والوں کے درجات اللہ کے نزدیک بہت بلند ہیں (المجادلہ: ۱۱)۔

عالموں کی فہرست میں جن لوگوں کو شمار کیا گیا ہے، ان کا ذکر سات آیات میں ملتا ہے۔[3] مثلاً سورہ عنکبوت: ۴۳ میں فرمایا گیا ہے کہ "یہ مثالیں ہم لوگوں کی فہمائش کے لیے دیتے ہیں، مگر ان کو وہی سمجھتے ہیں جو علم رکھنے والے (عالمون) ہوں"۔ سورۂ روم آیت ۲۲ میں ہے کہ "اسی کی نشانیوں میں سے آسمان اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں دانش مند لوگوں (عالمین) کے لیے"۔ علماء کا ذکر دو جگہ آیا ہے (فاطر: ۲۸، الشعراء: ۱۹۷)۔ ایک جگہ علماء بنی اسرائیل کے لیے اور دوسری جگہ زیادہ جامع معنوں میں اس کا استعمال ہوا ہے۔ فرمایا: "اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں علم رکھنے والے ہی ڈرتے ہیں۔ (فاطر: ۲۸)۔ عالمین کا استعمال تین جگہ اور ہے، جن میں اللہ تعالیٰ کا علم (الانبیاء ۵۱، ۸۱) اور عزیزِ مصر کے خواب دیکھنے پر اس کے درباریوں کی لاعلمی (یوسف: ۴۴) کا اظہار کرنے کے لیے علم "بمعنی جاننا" استعمال ہوا ہے۔

"اولوالعلم" کے سلسلے میں سورۂ آل عمران آیت ۱۸ میں فرمایا گیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ اس کے فرشتے اور علم والے اس پر شاہد ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہ عدل و قسط پر قائم ہے"۔

"ذی علم" کا ذکر سورۂ یوسف کی دو آیات میں ہے۔ ایک آیت ۶۸ میں حضرت یعقوبؑ کے

---

[1] مزید ملاحظہ ہو الروم: ۵۶ - العنکبوت: ۴۹، القصص: ۸۰، النحل: ۲۷

[2] نیز ملاحظہ ہو الحج: ۵۴، سبا: ۶

[3] مزید دیکھیے۔ یوسف: ۴۴، الروم: ۲۲، الانبیاء: ۵۱، ۸۱، فاطر: ۲۸، الشعراء: ۱۹۷

بارے میں فرمایا کہ وہ علم والے تھے یعنی وہ نبی اور صاحبِ وحی و رسالت تھے اور آیت ۷۶ میں اللہ تعالیٰ کو تمام علم والوں (کل ذی علیم) سے اوپر ایک علیم بتایا گیا ہے۔ یہاں ذی علم اپنے وسیع معانی میں استعمال ہوا ہے۔

قرآن مجید، علم میں پختہ لوگوں (الراسخون فی العلم) کی یہ صفت بیان کرتا ہے کہ وہ متشابہات کی تاویل میں وقت ضائع نہیں کرتے، بلکہ اُن کے معانی کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر کے خاموش ہو جاتے ہیں اور ان کی حقانیت پر یقین رکھتے ہیں (آل عمران: ۷) دوسری جگہ سورۃ النساء (آیت ۱۶۲) میں ہے کہ "لیکن راسخون فی العلم اور مومنین اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ پر نازل کیا گیا اور آپ سے پہلے اور جو نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لاتے ہیں"

"یعلمون" (یونس: ۵)[۱] قرآن میں متعدد جگہ استعمال ہوا ہے جس کا احاطہ کرنا مضمون کی طوالت کا باعث ہوگا۔ اس لفظ کے مختلف و متنوع استعمال سے علم کی حدود بہت وسیع ہو جاتی ہیں۔

"اہل الذکر" کو بھی جاننے والوں ہی کی صف میں رکھا جا سکتا ہے کیونکہ قرآن ہی میں واضح قرینہ ہے کہ اہل الذکر سے مراد اہل علم ہیں۔ فرمایا گیا کہ تمہیں علم نہ ہو تو اہلِ ذکر سے پوچھ لو (النحل: ۴۳، الانبیاء: ۷) یہاں اہلِ ذکر سے مراد حاملینِ وحی اور حاملینِ کتاب ہیں۔

علم کی ضد یعنی جہل کے سلسلہ میں قرآن میں جاہل، جاہلون، تجہلون وغیرہ الفاظ بیس[۲] سے زائد مقامات پر استعمال ہوئے ہیں۔ ہم یہاں ان الفاظ سے جہل کے معانی و مفاہیم کا تعین کریں گے۔ چوبیس مقامات پر جہل کے مختلف صیغوں کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ لفظ تعصب، حماقت، سفاہت، نادانی، بے علمی، حقیقت سے ناواقفیت، بدتمیزی، وہم و قیاس وغیرہ کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ (البقرہ: ۶۷)[۳] صاحب تفہیم القرآن سورہ احزاب آیت ۳۳ کے حاشیہ ۴۹ میں رقمطراز

---

[۱] مزید ملاحظہ ہو۔ توبہ: ۶، ۱۱ - اعراف: ۳۲، انفال: ۳۴، النمل: ۵۲ وغیرہ۔

[۲] نیز دیکھیے۔ آلِ عمران: ۱۵۴ - النساء: ۱۷ - المائدہ: ۵۰ - الانعام: ۳۵، ۵۴، ۱۱۱ - الاعراف: ۱۳۸، ۱۹۹ - ہود: ۲۹، ۴۶ - یوسف: ۳۳، ۸۹ - النحل ۱۱۹ - (باقی بر صفحہ آئندہ)

ہیں کہ "جاہلیت کا لفظ قرآن مجید میں اس مقام کے علاوہ تین جگہ اور استعمال ہوا ہے، ایک آلِ عمران کی آیت ۱۵۴ میں جہاں اللہ کی راہ میں لڑنے سے جی چرانے والوں کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ "وہ اللہ کے بارے میں حق کے خلاف جاہلیت کے سے گمان رکھتے ہیں"۔ دوسرے سورۂ مائدہ آیت ۵۰ میں، جہاں خدا کے قانون کے بجائے کسی اور قانون کے مطابق اپنے مقدمات کا فیصلہ کرنے والوں کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ کیا وہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں۔ تیسرے سورۂ فتح آیت ۲۶ میں جہاں کفارِ مکہ کے اس فعل کو حمیتِ جاہلیہ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے کہ انہوں نے محض تعصب کی بنا پر مسلمانوں کو عمرہ نہ کرنے دیا۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ ابو الدرداؓ نے کسی شخص سے جھگڑا کرتے ہوئے اس کو ماں کی گالی دے دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں ابھی تک جاہلیت کی بُو موجود ہے .... ان تمام استعمالات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جاہلیت سے مراد اسلام کی اصطلاح میں ہر وہ طرزِ عمل ہے جو اسلامی تہذیب و ثقافت اور اسلامی اخلاق و آداب اور اسلامی ذہنیت کے خلاف ہو اور جاہلیتِ اُولیٰ کا مطلب وہ بُرائیاں ہیں جن میں اسلام سے پہلے عرب کے لوگ اور دُنیا بھر کے لوگ مبتلا تھے"۔

جاہلیت کے ضمن میں فاضل مفسر کا ایک اور حاشیہ اس بحث کے دیگر گوشے نمایاں کرتا ہے۔ فرماتے ہیں: جاہلیت کا لفظ اسلام کے مقابلے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اسلام کا طریقہ سراسر علم ہے کیونکہ اس کی طرف خدا نے رہنمائی کی ہے، جو تمام حقائق کا علم رکھتا ہے۔ اس کے برخلاف ہر وہ طریقہ جو اسلام سے مختلف ہے جاہلیت کا طریقہ ہے۔ عرب کے زمانہ قبل اسلام کو جاہلیت کا دَور اسی معنی میں کہا گیا ہے کہ اس زمانہ میں علم کے بغیر محض وہم یا قیاس و گمان یا خواہشات کی بنا پر انسانوں نے اپنے لیے زندگی کے طریقے مقرر کر لیے تھے۔ یہ طرزِ عمل جہاں جس دَور میں بھی انسان اختیار کریں اُسے بہرحال جاہلیت ہی کا طرزِ عمل کہا جائے گا۔ مدرسوں اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

النمل: ۵۵ - فرقان: ۶۳ - القصص: ۵۵ - الزمر: ۶۴ - احقاف: ۲۶ - احزاب: ۳۳، ۷۲ - فتح: ۲۶ - الحجرات: ۶

یونیورسٹیوں میں جو کچھ پڑھایا جاتا ہے وہ محض ایک جزوی علم ہے اور کسی معنی میں بھی انسان کی رہنمائی کے لیے کافی نہیں ہے۔ لہٰذا خدا کے دیئے ہوئے علم سے بے نیاز ہو کر جو نظامِ زندگی اِس جزوی علم کے ساتھ ظنون و اوہام اور قیاسات و خواہشات کی آمیزش کر کے بنا لیے گئے ہیں۔ وہ بھی اسی طرح جاہلیت کی تعریف میں آتے ہیں جس طرح قدیم زمانے کے جاہلی طریقے اس تعریف میں آتے تھے[۱]

مندرجہ بالا قرآنی اصطلاحات سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ علم والے وہ لوگ قرار پاتے ہیں جو حقائقِ کائنات اور حقیقتِ نفس الامری کو جاننے والے ہیں جو آخرت کو سنوارنے کی نہ صرف خود فکر کرتے ہیں، بلکہ دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے ہیں۔ جو کائنات میں اپنے مقام اور اپنے مقصدِ زندگی کی معرفت حاصل کر چکے ہیں۔ اس کے برخلاف ہر وہ شخص قرآن کی رُو سے جاہل قرار پاتا ہے جو ان حقائق سے نابلد ہے یا ان سے جانتے بوجھتے رُوگردانی کرتا ہے اور حیاتِ دنیوی ہی کو اپنا مطمحِ نظر بنا کر زندگی گزارتا ہے۔

علم اور علماء کے مفہوم میں یفقہون، اولی الالباب، حکمت، یعقلون وغیرہ کا استعمال بھی قرآن میں کثرت سے ہوا ہے۔ اختصار کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ تفقہ، حکمت اور ہدایت کا تعلق اس علم سے ہے جس سے ہر نبی توفیق یاب ہوتا ہی ہے، ان کے علاوہ دوسرے سلیم الفطرت انسانوں کو بھی اللہ تعالیٰ خصوصی طور پر اپنے فضل سے نوازتا ہے۔ علم کے جامع و وسیع مفہوم کے تعین میں ان الفاظ کے مختلف استعمالات سے یک گونہ مدد ملتی اور تقویت پہنچتی ہے۔

علم کے ضمن میں اُوپر کے جائزہ اور قرآنی تصریحات کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ حقیقی علم، جسے قرآن میں اکثر "العلم" سے تعبیر کیا گیا ہے[۲] وہ ہے جو براہِ راست پیغمبر کو وحی کے ذریعہ دیا جاتا ہے اور دوسرے انسانوں تک رسولوں کے ذریعہ پہنچتا ہے ــــ یہ رسول

---

[۱] تفہیم القرآن جلد اوّل سورہ مائدہ، حاشیہ نمبر ۸۳

[۲] النجم: ۳۰ - الملک: ۲۶ وغیرہ

(خصوصاً نبی آخر الزمان ؐ) کتاب ہدایت و آگہی کی تعلیم دیتے ہیں۔ کائنات اور خالقِ کائنات کے رموز و اسرار کی نقاب کشائی کرتے ہیں۔ آئینۂ کائنات میں خالقِ کائنات اور منازلِ انسانی کا پَرتو دکھاتے ہیں اور ان علومِ حقائق کی روشنی میں انسانوں کے تزکیہ کا بیڑا اُٹھاتے ہیں۔[۱]
لہٰذا علم کا منتہائے مقصود ایمان اور تزکیۂ نفس قرار پاتا ہے۔ بنا بریں سورۂ جمعہ کی آیت نمبر ۵ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حاملینِ علم کی ایک بنیادی صفت یہ بھی ہونی چاہیے کہ جن حقائق سے وہ بہرہ ور ہوں اُن کا عکس ان کی عملی زندگی میں بھی جھلکنا چاہیے۔ عالم باعمل ہی حقیقی نفع پانے کے دعوے دار ہو سکتے ہیں اور وہی اس علم کی اہمیت اور خاموش تبلیغ کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ ورنہ وہ "كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا" کے مصداق ہوں گے (الجمعہ: ۵)
مزید برآں اولو العلم اپنے علم سے مخلوقِ عالم کو فائدہ پہنچانے کی پوری کوشش کریں۔ ورنہ وہ علم خود اُن کے لیے تباہی و رسوائی کا موجب بن جائے گا۔ (القصص: ۷۷، ۸۰) حضور اکرم ؐ کے بعد حاملینِ کتاب اللہ کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ وہ تزکیۂ نفوس اور تطہیرِ معاشرہ کا فریضہ انجام دیں۔ کیوں کہ وہی معروف و منکر کو خوب جانتے ہیں اور علمِ الٰہی اور عرفانِ حقائق کی لذت آشنا ہیں۔

(باقی)

---

[۱] الجمعہ: ۲ - آلِ عمران: ۱۶۴ - البقرہ: ۵۱

ایک یادگار مناظرہ

شیخ نذیر حسین مدیر اردو دائرہ معارف اسلامیہ - پنجاب یونیورسٹی لاہور

مامون الرشید کے زمانے میں یونانی فلسفے کی اشاعت ہوئی تو رویتِ باری تعالیٰ، مسئلہ تقدیر اور جبر و اختیار کے متعلق بحثیں ہونے لگیں، طرح طرح کی موشگافیاں کی جانے لگیں۔ اور اسلام کے عقائد و نظریات کو عقلی معیار پر پرکھا جانے لگا۔ عقلیت پسندوں کا یہ گروہ معتزلہ کہلاتا تھا۔ جب کہ ان کے بالمقابل اور حریف فقہاء و محدثین تھے۔ جو سلف کے مسلک کے قائل اور اسلام کو سادہ اور بے آمیز صورت میں پیش کرتے تھے۔ اس فکری انتشار کا نتیجہ قرآن مجید کے مخلوق اور غیر مخلوق ہونے کی نزاع ہی ظاہر ہوا۔ محدثین کرام اور فقہائے عظام جن کے قائد امام احمد بن حنبل رحؒ تھے، خلقِ قرآن کے منکر اور اس کے غیر مخلوق ہونے کے قائل تھے، جب کہ معتزلہ جن کو حکومتِ وقت کی تائید حاصل تھی، قرآن کو مخلوق سمجھتے تھے۔ اس فتنے کا فکری سرغنہ قاضی احمد بن ابی داؤد تھا، جو مامون الرشید کا دینی مشیر اور مملکتِ اسلامیہ کا قاضی القضاۃ تھا۔ علمائے اہلِ سنت کا موقف یہ تھا کہ اگر قرآن مخلوق مان لیا جائے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ اس جیسا دوسرا قرآن بھی پیش کیا جا سکتا ہے، جو صریحاً کفر ہوگا۔

حیرت یہ ہے کہ معتزلہ جو خود حریتِ فکر کے داعی اور عقل کی فرمانروائی کے قائل تھے۔ قرآن کو مخلوق منوانے کے لیے جبر و تشدد پر اتر آئے۔ علماء پر مصائب کے پہاڑ توڑے گئے، ان کو سرِبازار ذلیل و رسوا کیا گیا۔ اور جن لوگوں نے قرآن مجید کو مخلوق ماننے سے انکار کر دیا انہیں

قید و بند اور کوڑوں کی سزائیں دی گئیں۔ بالآخر امام احمد بن حنبلؒ نے سر دھڑ کی بازی لگا کر اس فتنے کا منہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔ جبر و تشدد اور ظلم و تعدی کی گرم بازاری مامون کے بعد معتصم اور واثق باللہ کے دورِ حکومت تک جاری رہی۔ اس زمانے میں علمائے اہلِ سنت نے معتزلہ سے مناظرے کیے۔ ان کی تردید میں کتابیں اور رسالے لکھے اور آخر میں اُن کو میدانِ کارزار سے پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ ذیل میں ایک تاریخی مناظرے کی روداد پیش کی جاتی ہے

ابنِ جوزی بہت سے راویوں کے حوالے سے صالح بن علی بن یعقوب الہاشمی کی زبانی ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ میں (صالح بن علی) ایک دفعہ امیرالمومنین المہتدی باللہ[1] کے ہاں باریاب ہوا۔ میں نے دیکھا کہ دربارِ عام لگا ہوا ہے، لوگ اپنی تکلیفیں اور شکایتیں پیش کر رہے ہیں۔ امیرالمومنین ان کی شکایتوں کو اوّل سے آخر تک نہایت ہمدردی و توجہ سے سُن رہے ہیں۔ ان کی عرضداشتوں پر اپنے منشیوں اور کاتبوں سے مناسب احکام لکھوا رہے ہیں اور سرکاری اہل کار شاہی مُہر لگا کر سائلوں کو یہ درخواستیں واپس کر رہے ہیں۔

میں یہ منظر دیکھ کر بہت خوش ہوا اور امیرالمومنین کو تکنے لگا۔ وہ مجھ کو دیکھتے تو میں اپنی نظر نیچی کر لیتا۔ امیرالمومنین اپنے کام میں لگ جاتے تو میں اُن کو پھر سے دیکھنے لگ جاتا۔ لیکن جونہی وہ نظریں اُٹھا کر دیکھتے میں آنکھیں بند کر لیتا۔ یہ قصہ کئی بار ہوا۔ آخر کار وہ میرے دل کی بات پا گئے۔ میں اُٹھنے لگا تو انہوں نے دربان کو حکم دیا کہ صالح کو روک لیا جائے۔

جب دربار برخواست ہو گیا اور لوگ چلے گئے تو امیرالمومنین نے مجھے اپنے خاص کمرے میں بُلا بھیجا اور اپنے پاس بٹھا کر پوچھا کہ تم اپنے دل کی بات کہو گے یا میں اپنا خیال ظاہر کروں۔ میں نے کہا آپ جیسا حکم دیں گے اس کی تعمیل کی جائے گی۔ کہنے لگے تو پھر میرے دل کی بات سنو میرے دربار کا یہ منظر دیکھ کر تمہارے دل میں یہ خیال گزرا ہے کہ اگر امیرالمومنین قرآن

---

[1] المہتدی باللہ (م ۲۵۶ھ) خلیفہ واثق کا بیٹا اور خاندانِ عباسیہ کا چودھواں فرمانروا تھا۔ وہ نہایت متقی و پرہیزگار اور انصاف پسند تھا۔ اس کے دورِ حکومت نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہد کی یاد تازہ کر دی تھی۔

کو مخلوق نہ سمجھتے تو کتنا اچھا ہوتا۔ میں یہ سن کر شرم و حیا سے زمین میں گڑ گیا اور مجھ کو پسینہ آ گیا میری یہ حالت دیکھ کر کہا کہ اب ایک سچا واقعہ سنو۔

"میں (خلیفہ مہتدی) واثق[1] کے ابتدائی عہدِ حکومت تک قرآن کریم کو مخلوق سمجھتا رہا۔ تا آنکہ ایک بزرگ نورانی صورت کو قید کر کے اور ہتھکڑی لگا کر شام سے لایا گیا۔ یہ بزرگ نہایت شکیل و وجیہہ، بلند قامت اور تنومند تھے۔ ان کو دیکھ کر واثق کچھ شرما سا گیا۔ خلیفہ نے ان کو اپنے پاس بٹھا لیا اور کہا کہ میں نے تمھیں قاضی القضاۃ احمد بن ابی داؤد سے مناظرے کے لیے بلایا ہے۔ اس بزرگ نے مخلوط سے ردّ و کد اور ہچکچاہٹ کے بعد اس شرط پر مناظرہ کرنے کی دعوت قبول کر لی کہ امیر المومنین واثق بھی اس مناظرے میں موجود رہیں گے۔

اب مناظرہ سنیے:

بزرگ: جناب قاضی صاحب! مجھ کو یہ بتلایئے کہ قرآن کو مخلوق ماننا ازروئے شریعت فرض ہے یا ضروری ہے؟

قاضی: ہاں ہمارے عقیدے میں یہ بھی شامل ہے۔

بزرگ: کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احکامِ شریعت میں کسی حکمِ خداوندی کو امتِ محمدیہ سے چھپا کر رکھا تھا؟

قاضی: ہرگز نہیں۔

بزرگ: کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو خلقِ قرآن کی طرف کبھی دعوت دی تھی؟

قاضی صاحب گم سم بیٹھے رہے۔

بزرگ: کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے کبھی یہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ قرآن کو مخلوق مانیں؟

---

[1] الواثق باللہ (م ۲۳۲ھ) خاندانِ عباسیہ کا نواں خلیفہ تھا، جس کے عہد میں محدثین نے بڑے مصائب برداشت کیے۔

قاضی: نہیں

بزرگ: کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن کے مخلوق اور عدم مخلوق کا علم نہ تھا؟

قاضی: آپ کو اس مسئلے کا بخوبی علم تھا۔

بزرگ: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (میں نے آج کے دن تمہارے دین کو کامل کر دیا)۔ تو پھر آپ دین میں کیوں کمی بیشی کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو دین کی تکمیل کی بشارت دی ہے اور آپ اس کو ناقص اور نامکمل سمجھ کر اس میں نئی نئی باتیں شامل کر رہے ہیں۔

قاضی صاحب ساکت اور خاموش رہے۔

بزرگ: کیا خلفائے راشدین میں سے کسی نے قرآن کریم کے مخلوق ماننے کا مسلمانوں سے اقرار لیا تھا؟

قاضی صاحب مہر بلب رہے۔

اب خلیفہ واثق سے رہا نہ گیا۔ اُس نے حکم دیا کہ اس بزرگ کی ہتھکڑی کھول دی جائے۔ ہتھکڑی کھول دی گئی تو اس بزرگ نے لپک کر اُسے داروغہ جیل سے چھین لیا۔ اور اپنی آستین میں رکھ لیا۔ خلیفہ نے پوچھا کہ ہتھکڑی لے کر کیا کرو گے؟ اس بزرگ نے جواب دیا کہ میں اپنے گھر والوں کو وصیت کر جاؤں گا کہ مرتے وقت یہ ہتھکڑی میرے کفن میں رکھ دی جائے۔ میں روزِ محشر اللہ کے ہاں فریاد کروں گا کہ اس ظالم نے مجھ کو کس جرم کی پاداش میں قید کیا۔ میرے اہل و عیال کو کیوں پریشان اور خوفزدہ کیا اور میرے دوست واحباب کو کیوں ہراساں کیا۔ یہ کہہ کر وہ بزرگ رو پڑے اور خلیفہ کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔

اب دونوں کے درمیان یہ گفتگو ہوئی:

خلیفہ: آپ ہمیں معاف کر دیں۔

؎ قاضی احمد بن ابوداؤد (قاضی احمد ابن ابی دؤاد — ادارہ)

بزرگ: میں نے آپ کو حضرت عباسؓ کی اولاد سمجھتے ہوئے اور ان کا احترام واکرام کرتے ہوئے پہلے دن ہی معاف کر دیا تھا۔

خلیفہ: میری ایک حاجت ہے اسے پورا کر دیں۔

بزرگ: میرے بس میں ہوگا تو میں آپ کے حکم کی تعمیل کر دوں گا۔

خلیفہ: آپ کچھ عرصے کے لیے ہمارے ہاں قیام کریں تاکہ ہم آپ سے استفادہ کر سکیں۔

بزرگ: آپ مجھ کو اہل وعیال میں واپس بھیج دیں کیوں کہ جب میں گھر سے چلا تھا تو وہ آپ کو بددعا دے رہے تھے۔ اب میرے صحیح وسلامت پہنچنے پر وہ آپ کی جان ومال کو دعائیں دیں گے۔

خلیفہ: آپ حکومت کی طرف سے کچھ عطیہ یا روزینہ قبول فرمالیں۔

بزرگ: میں گھر سے خوشحال ہوں۔ مزید برآں میرے ہاتھ پاؤں بھی ابھی تک صحیح وسالم ہیں۔ اس لیے مجھے کسی انعام واکرام کی ضرورت نہیں۔ میری آرزو صرف یہی ہے کہ آپ مجھ کو کسی سرحدی علاقے (بارڈر) میں قیام کرنے کی اجازت دے دیں[1]

خلیفہ: آپ وہاں بخوشی قیام کر سکتے ہیں۔

یہ سن کر وہ بزرگ سلام کر کے باہر چلے گئے۔

خلیفہ مہتدی فرماتے تھے کہ میں نے اس وقت سے قرآن مجید کو غیر مخلوق مان لیا اور شاید خلیفہ واثق نے بھی۔ (کتاب التوابین از موفق الدین بن قدامہ)

---

[1] علمائے سلف سرحدی مقامات پر جاکر عبادت اور ذکر و فکر کا اہتمام کیا کرتے تھے، کیوں کہ اس سے ملکی سرحدوں کی پاسبانی ہوتی تھی، جہاد کا موقع ملتا تھا اور عبادت کا ثواب بھی۔ شام میں طرطوس اور افریقہ (تونس) میں مونستر اور سوسہ ایسے علاقے تھے جہاں سے مجاہدین رومی مقبوضات پر حملے کرتے رہتے تھے۔ (نذیر حسین)

اسلام میں اختلاف کے آداب

(۶)

عہدِ تابعین میں اختلاف اور اس کے آداب

ترجمہ و تلخیص جناب عبدالحی ابڑو صاحب - اسلامی یونیورسٹی - اسلام آباد

امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں یہ طریقہ کار اپنایا ہوا تھا کہ وہ صحابہ کرامؓ کو مدینے سے باہر سکونت اختیار کرنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ صحابہ کرام جہاد، تعلیم و تدریس، امارت اور قضا وغیرہ جیسی اہم ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے سفر تو کرتے مگر مدینہ منورہ جسے دارالخلافہ کی حیثیت حاصل تھی۔ ان کا مستقل مقام و مستقر ہوتا۔ صحابہ کرام چونکہ دعوتِ اسلامی کے علمبردار اور اس کے ہراول دستہ تھے، اس لیے ضروری تھا کہ وہ خلیفہ کے قریب رہ کر خلافت کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے سلسلے میں ان کی معاونت کریں، اور اُمت کے معاملات و مسائل کو حل کرنے میں ان کے شریکِ کار رہیں۔

حضرت عثمانؓ نے جب بارِ خلافت اُٹھایا تو انہوں نے صحابہ کرامؓ کو مدینہ چھوڑ کر دوسرے اسلامی شہروں میں اقامت اختیار کرنے کی اجازت دینے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا۔ جس کے بعد قراء اور فقہائے کرام مفتوحہ علاقوں، اور آباد کردہ شہروں میں منتقل ہونے لگے۔ چنانچہ صرف کوفہ و بصرہ میں تین سو سے زیادہ صحابہ کرام سکونت پذیر ہو گئے، اسی طرح مصر و شام میں بھی کئی صحابہؓ مقیم تھے۔

ایک روایت کے مطابق، غزوہ حنین سے واپسی کے بعد صرف مدینہ منورہ میں رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ ہزار صحابہ موجود تھے جن میں سے آپ کے انتقال کے وقت دس ہزار باقی رہ گئے اور دو ہزار دوسرے شہروں کو نقل مکانی کر چکے تھے[1]

فقہاء اور قراء صحابہ کرامؓ سے تابعین نے علم حاصل کر کے آگے منتقل کیا، جیسے مدینہ میں سعید بن المسیب (جنہیں حضرت عمرؓ کے فقہ کے حامل اور ان کا راوی کہا جاتا ہے)، مکہ میں عطاء بن ابی رباح، یمن میں طاؤس، یمامہ میں یحییٰ بن ابی کثیر، بصرہ میں حسن بصری، شام میں مکحول، خراسان میں عطاء، کوفہ میں علقمہ وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام حضرات اکثر مواقع پر انہی صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں فتویٰ اور اجتہاد کا کام انجام دیتے تھے جن سے انہوں نے علم و فقہ حاصل کیا تھا، اور استنباطِ احکام میں جن کے طریقوں سے وہ متاثر ہوئے تھے۔ تابعین کرام بھی آپس کے اختلافات میں صحابہ کے آداب پر کاربند رہے، اور ان کے مقرر کردہ حدود و اطوار سے ذرہ برابر بھی انحراف نہیں کیا۔ یہی وہ فقہاء ہیں جن سے بعد میں آنے والی نسلیں متاثر ہوئیں۔ اور انہی سے فقہ کی دولت پائی۔ دیت کے بارے میں مندرجہ ذیل دو مباحثوں سے تابعین کے آدابِ اختلاف اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے۔

امام حدیث عبدالرزاق نے شعبی کے ذریعے سے روایت بیان کی ہے کہ جس میں وہ کہتے ہیں: ایک مرتبہ قاضی شریح کے پاس ایک شخص آیا اور ان سے انگلیوں کی دیت (خون بہا) کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہر انگلی پر دس اونٹ۔ اس نے کہا سبحان اللہ! کیا انگوٹھا اور درمیان کی بڑی انگلی دونوں برابر ہیں؟ قاضی شریح نے فرمایا: افسوس تم پر! سنت نے ایسا قیاس کرنے سے منع کیا ہے۔ اس کی پیروی کرو اور نئی بات نہ نکالو[2]

موطا امام مالک میں مروی ہے کہ ربیعہ کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن المسیب سے عورت کی انگلی کے خون بہا کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا: دس اونٹ۔ میں نے پوچھا

---

[1] الفکر السامی ۱/۳۱۱۔

[2] مصنف عبدالرزاق: الفکر السامی ۱/۳۹۱۔ ابن منذر نے بھی صحیح سند کے ساتھ اسے روایت کیا ہے۔

دو انگلیوں کا؟ انہوں نے فرمایا: بیس اونٹ۔ میں نے پوچھا: تین انگلیوں کا؟ فرمایا: تیس اونٹ۔ میں نے پھر پوچھا: چار پر؟ انہوں نے کہا: بیس اونٹ۔ میں نے کہا: جب زخم بڑھ گیا اور تکلیف میں اضافہ ہوگیا تو خون بہا کم ہوگیا۔ اس پر حضرت سعید بن المسیب نے پوچھا: کیا تم عراقی ہو؟× میں نے کہا: نہیں، میں تو اپنے علم کی توثیق کرانا چاہتا ہوں یا اپنے علم میں اضافہ کا خواہشمند ہوں۔ انہوں نے فرمایا: برادرزادے سنت یہی ہے۔[1]

زیادہ سے زیادہ اختلاف اسی درجے کا ہوتا تھا نہ تو کوئی اپنی رائے کی درستگی کا دعوٰی کرتا اور نہ ہی دوسرے کو جہالت کا الزام دیتا تھا، نہ اُسے یہ زعم ہوتا کہ مَیں ہی حق پر ہوں اور دوسرا باطل پر ہے۔

حضرت سعید بن المسیب اور اہلِ حجاز کا مسلک یہ ہے کہ تیسرے حصے تک مرد اور عورت کے خون بہا میں کوئی فرق نہیں۔ اس سے زیادہ کی صورت میں عورت کی دیت مرد کے مقابلے میں آدھی ہوگی۔ اس کی دلیل حضرت عمرو بن شعیب کی وہ روایت ہے جو انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے اپنے دادا سے بیان کی ہے کہ عورت کی دیت تیسرے حصے تک مرد کے برابر ہے[2] جب کہ عراقی فقہا کی رائے یہ ہے کہ شروع ہی سے عورت کی دیت مرد کے مقابلے میں آدھی ہے[3]

امام اوزاعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کی ایک دفعہ مکہ میں ملاقات ہوئی تو امام اوزاعیؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے پوچھا: آپ لوگ رکوع میں جاتے اور اس سے اُٹھتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے؟ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: اِس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی

---

[1] مؤطا (مع شرح زرقانی)، ۴/۱۸۸۔ مصنف عبدالرزاق ۹/۳۹۴۔ سنن بیہقی ۸/۹۶

[2] سنن نسائی ۸/۵۴، دارقطنی ۴/۳۶۴

[3] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: المغنی (ابن قدامہ) ۸/۳۱۴ - ۳۱۵ (ط: دارالفکر ۱۹۸۴ء)۔

× اِس جملے کی وضاحت آگے آئے گی۔

صحیح روایت مروی نہیں۔ امام اوزاعیؒ نے کہا: یہ کیسے؟ خود مجھ سے امام زہریؒ نے یہ حدیث بیان کی، ان سے سالم نے، ان سے ان کے باپ (عبداللہ بن عمرؓ) نے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کی ہے کہ آپ نماز کی ابتداء اور رکوع میں جاتے اور اٹھتے وقت ہاتھ اٹھایا کرتے تھے۔

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: مجھ سے حماد نے، ان سے ابراہیم نخعیؒ نے، ان سے علقمہ اور اسود نے اور ان سے ابن مسعودؓ نے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف نماز کی ابتداء میں رفع یدین فرماتے اور اس کے بعد کسی موقع پر بھی ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔

امام اوزاعیؒ نے کہا: میں آپ کو زہری سے سالم کی اور ان سے ان کے باپ (ابن عمرؓ) کی روایت سنا رہا ہوں اور آپ کہہ رہے ہیں کہ مجھ سے حماد نے اور ان سے ابراہیمؒ نے روایت بیان کی ہے.....؟

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: حماد زہری سے اور ابراہیم نخعی سالم سے زیادہ فقیہ ہیں، اور علقمہ بھی ابن عمرؓ سے کم نہیں، اگر ابن عمر کو شرفِ صحابیت حاصل ہے تو اسود کے بھی بڑے فضائل ہیں، جب کہ عبداللہ بن مسعودؓ کی جلالتِ قدر تو سب کو معلوم ہے۔ اس پر امام اوزاعی خاموش ہو گئے۔[1]

امام ابوحنیفہؒ سے یہ بات نقل کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا: "ہم نے جو آراء ظاہر کی ہیں، ان کے قبول کرنے کے سلسلے میں کسی پر جبر نہیں کرتے، اور نہ کسی سے ہمارا یہ مطالبہ ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ ہماری رائے کو تسلیم کرلے، اگر کسی کے پاس اس سے اچھی بات ہو تو وہ اسے پیش کرے"[2]۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ تمام حضرات سنت کے پیروکار تھے۔ سنت جب صحیح سند کے

[1] الفکر السامی ۱/۳۲۰۔

[2] انتقاد ص ۱۴۰۔

سامنے ان تک پہنچتی تو وہ قطعی طور پر اس سے اختلاف نہ کرتے، البتہ حدیث کے مفہوم کو سمجھنے میں اختلاف واقع ہوتا تھا۔ ہر ایک دوسرے کے اخذ کردہ مفہوم کو اس وقت تک صحیح مانتا جب تک لفظ کے اندر اس کا احتمال موجود ہوتا، اور اس مفہوم کے خلاف دوسرے فریق کے پاس مستند دلائل بھی موجود نہ ہوتے۔

اعتقادی اور فقہی اختلافات پر سیاسی اختلاف کے اثرات جن اختلافات کا اوپر ہم نے ذکر کیا ہے ان کا تعلق عوام کی اکثریت سے تھا۔ ان کا بیشتر حصہ فقہی اختلافات پر مشتمل تھا جن میں حتمی فیصلے کے لیے قرآن و سنت ہی کو مرجع بنایا جاتا۔ بعض اوقات اس طرح کے اختلافات کی بنیاد صرف اتنی ہوتی کہ ایک شخص تک کوئی حدیث پہنچتی جب کہ دوسرے کو اس کا علم نہ ہوتا۔ یا اس کی بنیاد نص یا اس کے الفاظ کے سمجھنے میں اختلاف ہوتا۔

ان فقہی اختلافات پر جو چیز سب سے زیادہ اثر انداز ہوئی وہ خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اور دارالخلافہ کے کوفہ سے شام منتقلی کے بعد ظہور پذیر ہونے والے سیاسی اختلافات تھے۔ اس نئی صورتِ حال نے اُمتِ مسلمہ کے اندر اختلافات کی خلیج کو بہت وسیع کر دیا اور دائرۂ اختلاف میں ایسے نئے اُمور شامل ہو گئے، جو اس سے پہلے اس کا حصہ نہ تھے۔ اس کے نتیجے میں ہر علاقے کے افراد کا ان تک پہنچنے والی روایات پر انحصار کرنے کا رجحان شدید تر ہو گیا۔ دیگر علاقوں میں پھیلی ہوئی روایت کے سلسلہ میں ان کا رویہ شک و شبہہ اور عدم اعتماد کا ہوتا، جس کے پیچھے درحقیقت سیاسی وابستگیاں اور گروہی کشمکش کارفرما تھی۔ چنانچہ عراق کے دونوں شہروں کوفہ اور بصرہ میں متنوع سیاسی افکار نے جنم لیا اور کئی جہتیں اختیار کیں اور اپنے تمام تر تنوع اور پیچیدگیوں کے ساتھ یہ افکار دوسرے علاقوں کی طرف منتقل ہونے شروع ہو گئے۔ یہاں شیعہ، جہمی، معتزلہ، خوارج، اور دیگر کئی راہِ حق سے منحرف گروہ اور فرقے پروان چڑھے۔ جھوٹی حدیثیں اور سیاسی رنگ کے واقعات گھڑنے کے رجحان کو بھی یہیں فروغ حاصل ہوا۔ یہ صورتِ حال اتنی سنگین ہو گئی کہ حضرت امام مالک پکار اٹھے کہ کوفہ جھوٹ کی ٹکسال گاہ ہے[1]۔ امام زہری نے کہا: ہمارے

---

[1] الفکر السامی ۱/۳۱۳

ہاں جو حدیث بالشت بھر ہوتی ہے وہ عراق پہنچ کر ایک گز طویل ہو جاتی ہے۔[1]

اس صورتِ حال کے پیشِ نظر خود اہلِ عراق قبولِ حدیث کے سلسلے میں محتاط رویہ اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اس ضمن میں انہوں نے قبولِ حدیث کے لیے ایسی کڑی شرطیں عائد کیں جن کا اس دور سے پہلے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس کے پیچھے ان کی یہ خواہش کارفرما تھی کہ ان کا فقہی ورثہ حق سے منحرف فرقوں کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رہے۔ اہلِ حجاز کا رویہ عراقیوں سے کہیں بڑھ کر احتیاط پسندی پر مبنی تھا۔ اس کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ اہلِ حجاز عراقیوں یا شامیوں کی کوئی روایت اس وقت تک قبول نہیں کرتے تھے جب تک کہ خود حجاز کے اندر اس کی بنیاد نہ مل جاتی۔[2]

ایک حجازی عالم سے پوچھا گیا کہ ایک حدیث جسے سفیان ثوری نے منصور معتمر سے، انہوں نے ابراہیم نخعی سے، انہوں نے علقمہ نخعی سے اور انہوں نے عبداللہ بن مسعودؓ..... سے روایت کیا ہو اس سلسلہ روایت کے بارے میں ان کا کیا خیال ہے، جبکہ عراقیوں کے نزدیک اسے سب سے زیادہ مضبوط اور قابلِ اعتماد سند سمجھا جاتا ہے۔ انہوں نے جواب دیا: اگر اس کی کوئی بنیاد حجاز میں ہو تب تو وہ قابلِ قبول ہوگی بصورتِ دیگر نہیں۔[3]

ایک عباسی خلیفہ نے امام مالکؒ کے ممتاز استاذ ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن کو جن کا تعلق مدینہ سے تھا، اپنا وزیر اور مشیر مقرر کیا، وہ جلد ہی اپنے اس منصب سے علیحدہ ہو گئے اور مدینہ لوٹ آئے۔ ان سے پوچھا گیا: آپ نے اہلِ عراق کو کیسے پایا؟ تو انہوں نے جواب دیا: وہ ایسے لوگ ہیں جن کے نزدیک ہمارا حلال حرام ہے۔ اور ہمارا حرام حلال ہے۔ وہاں چالیس ہزار ایسے افراد ہیں جو دین کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ جو نبی ہماری طرف

[1] الانتقاد

[2] الفکر السامی

[3] ایضاً

مبعوث ہوا اس نبی سے الگ ہے جو ان کی طرف بھیجا گیا۔[1]

اِس گفتگو کا تعلق اگرچہ عراق کے اہلِ سنّت اور جمہور اُمت سے نہیں بلکہ حق سے منحرف گروہوں سے ہے تاہم اس سے فقہی تحریک پر پڑنے والے دُور رس اثرات کی طرف اشارہ ملتا ہے، نیز اس اختلاف کی نشاندہی بھی ہوتی ہے جو عراق و حجاز کے فقہا کے نقطۂ نگاہ اور ان کے طریقِ استدلال میں موجود تھا۔

تابعین کے مابین آدابِ اختلاف کی

امام ابوحنیفہؒ اپنے استاد امام جعفر صادقؒ کے حضور

گفتگو کو سمیٹتے ہوئے آخر میں ہم امام ابوحنیفہؒ اور ان کے استاد امام جعفر صادقؒ کے مابین ہونے والی گفتگو پیش کرتے ہیں، جس سے بخوبی ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ حضرات اختلافی مسائل میں بحث مباحثہ کے دوران کس رواداری، باہمی احترام اور آدابِ مراتب کا خیال رکھتے تھے۔

ابن ابی شبرمہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں اور ابوحنیفہؒ امام جعفر صادقؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے آپ کو سلام کیا، میری آپ سے دیرینہ دوستی تھی۔ میں نے آپ سے کہا: اللہ تعالیٰ ہمیں آپ سے مستفید ہونے کے مواقع فراہم کرتا رہے۔ میں اپنے ساتھ اہلِ عراق میں سے ایک آدمی لایا ہوں جو فقہ اور رائے میں کافی درک رکھتا ہے۔ امام جعفرؒ نے کہا: کیا یہ وہی ہیں جو دین کے معاملات میں اپنی رائے سے کام لیتے ہیں، پھر خود ہی فرمانے لگے: یہ نعمان تو نہیں؟ ابوحنیفہؒ نے کہا: جی، اللہ آپ کو سلامت رکھے۔ امام جعفرؒ کہنے لگے: ابوحنیفہ، اللہ سے ڈرو اور دین کے معاملات میں اپنی رائے سے کام مت لو۔ سب سے پہلے جس نے قیاس اور رائے سے کام لیا وہ ابلیس تھا کہ جب اُسے اللہ تعالیٰ نے آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو اُس نے کہا: میں اس (آدم) سے بہتر ہوں، کیونکہ مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا اور اُسے مٹی سے۔

انھوں نے پھر ابوحنیفہؒ سے پوچھا: مجھے کوئی ایسا کلمہ بتاؤ جس کا پہلا حصہ شرک اور آخری حصہ ایمان ہے۔ ابوحنیفہؒ نے کہا: میں نہیں جانتا۔

امام جعفرؒ نے فرمایا: یہ کلمہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" ہے کہ اگر کوئی شخص صرف "لَآ اِلٰہَ" کہہ کر

---

[1] المفکر السامی (حجوی)، ۱/۳۱۲۔

رک جائے تو وہ کافر ہو جائے گا۔

پھر اُن سے پوچھا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک کونسا گناہ بڑا ہے؟ کسی بے گناہ کو قتل کرنا یا زنا؟ ابوحنیفہؒ نے جواب دیا: کسی کو قتل کرنا۔ آپ نے فرمایا نہیں، اس لیے کہ قتل کے سلسلے میں تو دو گواہوں کی گواہی قابلِ قبول قرار دی ہے جب کہ زنا کے لیے چار گواہ ضروری قرار دیئے ہیں۔ پھر بھلا تمہاری رائے اور قیاس کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

پھر آپ نے پوچھا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک روزے اور نماز میں کس کی اہمیت زیادہ ہے؟

امام ابوحنیفہؒ نے کہا: نماز کی۔

آپ نے فرمایا: ایسی صورت میں حائضہ عورت روزوں کی تو قضا کرتی ہے جب کہ نماز کی قضا اس پر فرض نہیں۔ آخر کیوں؟ اے اللہ کے بندے اللہ سے ڈرو اور رائے و قیاس سے کام مت لیا کرو، ورنہ کل ہم اور آپ اللہ کے حضور جب کھڑے ہوں گے تو ہم تو یہ کہیں گے کہ اللہ اور اس کے رسول نے یہ کہا جب کہ آپ اور آپ کے ساتھی کہیں کہ ہم نے ایسا سمجھا اور یہ ہماری رائے تھی، پھر خود ہی سوچ لو کہ اللہ تعالیٰ ہم سے اور آپ سے کیا سلوک کرے گا۔[1]

امام جعفر صادق کے یہ سوالات ایسے نہ تھے جو امام ابوحنیفہؒ جیسے شخص کو لاجواب کر دیتے۔ امام صاحب نے صرف اہل بیتِ رسولؐ کے ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہر سوال کے جواب میں خاموشی کو ترجیح دی۔

---

[1] اعلام الموقعین ۱/۲۵۵ — ۲۵۶

اسلامی انقلاب اور ہمارے فرائض

لیفٹیننٹ کرنل (ریٹائرڈ) ڈاکٹر غلام فرید بھٹی صاحب

(۲)

۹۔ ملکی ذرائع ابلاغ | ذرائع ابلاغ بھی ایک اہم تعلیمی ادارہ ہے۔ فلم، ریڈیو، ٹیلی وژن، اخبارات، رسائل، وی سی آر، ٹیپ ریکارڈ، سب عوام کی تعلیم و تربیت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں — ذرائع ابلاغ جس ذہن اور فکر کے لوگوں کے ہاتھوں میں ہوں گے۔ اسی قسم کے پروگرام مرتب ہوں گے اور جس قسم کے پروگرام ہوں گے اسی قسم کی عوام کی تربیت ہوگی۔ اصلاحِ معاشرہ کے کام کے لیے ذرائع ابلاغ کی طرف توجہ دینا اور انہیں تعمیری اور پختہ ذہن قوتوں کی زیرِ نگرانی لاکرنئے انداز سے چلانا نہایت ضروری ہے۔ کسی خاص موضوع پر رائے عامہ بنانے کے بارے میں ذرائعِ ابلاغ اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

ایسے ممالک میں جہاں پڑھی لکھی آبادی کا تناسب بہت تھوڑا ہو، وہاں لٹریچر اور تحریری مواد کی بجائے سمعی اور بصری ذرائع زیادہ کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں۔ ان ذرائع میں یعنی دیکھنے اور سننے والے ذرائع ابلاغ میں فلم، ریڈیو، ٹیلی وژن، وی سی آر اور ٹیپ ریکارڈ نہایت اہم ہیں۔

اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ ذرائع ابلاغ کو فحش اور بے حیائی، بداخلاقی اور جرائم پھیلانے کی بجائے مسلمانوں کو ایمان اور اسلامی عقائد سمجھانے پر صرف کیا جائے۔

۱۰۔ عوام الناس کی تعلیم و تربیت | کہا جاتا ہے کہ معاشرہ دو طبقوں، عوام اور خواص پر مشتمل

ہوتا ہے۔ خواص کا طبقہ پڑھے لکھے اور ذہین لوگوں پر مشتمل ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ عوام الناس کی رہنمائی کرتا ہے۔ ہماری اب تک کی حکمتِ عملی یہی رہی ہے کہ طبقۂ خواص کو متاثر کیا جائے۔ جس کے لیے ہم نے بے شمار تحریکی لٹریچر پیدا کیا، لیکن چالیس سال گزر جانے کے بعد بھی یہ مملکت عملی طور پر ایک واقعی اسلامی مملکت نہ بن سکی۔ آخر کیوں؟

اگر آپ ایماندارانہ تجزیہ کریں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اس ملک کی پڑھی لکھی آبادی تقریباً پچیس فی صد کے قریب ہے۔ بڑی مشکل سے اس پڑھی لکھی آبادی کے نصف کو سنجیدہ کتب پڑھنے کا شوق ہے، ورنہ وہ ناول، افسانے اور دوسرے مخرب الاخلاق لٹریچر کی زیادہ دلدادہ ہے۔ اس طرح پورے ملک کی آبادی کا تقریباً ۱۳ فیصد طبقہ سنجیدہ لٹریچر پڑھنے کا عادی ہے۔ اگر اس ۱۳ فیصدی کے بھی نصف کے متعلق ہم یہ سمجھ لیں کہ وہ مذہبی لٹریچر پڑھنے کا عادی ہے تو بہت غنیمت ہے۔ ورنہ اس سنجیدہ لٹریچر میں درسی کتب، سائنس کے مضامین اور عمرانی علوم بھی شامل ہیں۔ گویا اس طرح ملک کا تقریباً سات فیصدی طبقہ مذہبی لٹریچر پڑھتا ہے۔

اب اگر اس سات فیصد مذہبی لٹریچر پڑھنے والے طبقہ کو شیعہ، سنی، دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث اور دوسرے طبقوں میں تقسیم کر دیا جائے تو ہم خود فیصلہ کر لیں کہ خالصتہً تحریکی لٹریچر اس ملک کے سات فیصد مذہبی طبقے میں سے کتنی فیصدی کے حصے میں آتا ہوگا۔

کیا اس تخمینے سے یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ جب اس ملک میں انتخابات ہوتے ہیں تو تحریکِ اسلامی سے متاثر کتنے آدمی حکومت کے ایوان تک پہنچ سکتے ہیں۔

ووٹ دیتے وقت ان پڑھ یا پڑھے لکھے آدمی کے ووٹ میں کوئی فرق نہیں ہے، جس پارٹی کے حق میں زیادہ ووٹ ڈالے جائیں گے، وہی پارٹی حکومت کی مستحق ٹھہرے گی۔ گویا حکومتیں محض کھوپڑیوں سے بنتی ہیں اور دماغوں سے چلتی ہیں۔

اسلامی انقلاب کے بارے میں اب تک ہماری حکمتِ عملی یہی رہی ہے کہ ہمیں یہ انقلاب پُرامن اور آئینی ذرائع سے لانا ہے جس کا مقصد ہے کہ یہ انقلاب صرف

انتخابات[1] کے ذریعے آتا ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر حکومت بنانے کے لیے طاقت کا توازن اس ملک کے ۲۵ فیصد پڑھے لکھے طبقے کے ہاتھ میں نہیں ہے[2]۔ بلکہ اس ملک کے ۷۵ فیصد ان پڑھ عوام کے ہاتھ میں ہے، لیکن ہم نے کس قدر کام ان پڑھ طبقے کے لیے کیا ہے۔ تحریکی لٹریچر سے ان پڑھ عوام کس طرح استفادہ کر سکتے ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ جہاں ہم پڑھے لکھے طبقے کو بھی پہلے کی طرح نظرانداز نہ کریں وہاں اب ان پڑھ عوام کی طرف پہلے سے کہیں زیادہ توجہ دیں۔ ان پڑھ افراد سمعی اور بصری ذریعے سے ہی[3] استفادہ کر سکتے ہیں۔ ریڈیو اور ٹیلی وژن حکومت کے قبضہ واختیار میں ہیں۔ حکومت

---

[1] اتنی کڑی پابندی اور اتنا "حصر" معلوم نہیں کیوں پیدا کر لیا گیا ہے۔ سیدھی سی بات ہے کہ پارلیمانی سسٹم اور اس کے نظامِ انتخابات میں اپنی دعوت اور پروگرام کو لے کے اصلاحِ ادارۂ حکومت کے لیے بھی جانا ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ صرف یہی طریقہ کار ہمارا مستقل طریقہ کار ہو اور تادمِ آخر ہم اسی پر گامزن رہیں، چاہے نتائج واحوال کیسے ہی کیوں نہ نکلیں اور تجربات ومشاہدات سے کچھ ہی اسباق کیوں نہ ملیں۔ ہم بنیادی طور پر ایک انقلابی دعوت کے علمبردار ہیں۔ داعی، شاہد اور مجاہد ہیں۔ مختلف دائروں میں کام کر کے ہی انقلاب کا راستہ بنایا جاسکتا ہے۔ (مدیر)

[2] پڑھے لکھے طبقے میں لٹریچر کے ذریعے کام کی ابتدا کرنے کا مقصد یہ تھا اور اب بھی ہے کہ اس طبقے کے جو لوگ تحریکِ اسلامی کے سپاہی بنتے جائیں۔ وہ اپنے گردوپیش پھیلے ہوئے ان پڑھ عوام میں کام کریں۔ اور اجتماعی نظم مختلف ذرائع سے ان کی مدد کرے۔ (مدیر)

[3] یہاں پھر "ہی" کا استعمال دائرے کو تنگ کر دیتا ہے۔ ان پڑھ عوام میں ان کے ساتھ نشست و برخاست کر کے بالمشافہ سادہ گفتگوئیں کرتے ہوئے اور ان کے مصائب میں ہمدردی کرتے ہوئے ان کے دلوں کو قبولِ حق کے لیے تیار کرنے کا بہت کام ہو سکتا ہے اور ہوتا رہا ہے۔ (مدیر)

کا فرض ہے کہ ان ذرائع ابلاغ کے ذریعے عوام کی اسلامی خطوط پر تعلیم و تربیت کرنے میں اپنی پوری قوت صرف کرے تاکہ وہ بہت جلد شرمندۂ تعبیر ہو، جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ ملک برصغیر کے مسلمانوں کو ایک تحفہ، ایک احسان، ایک امانت، اور ایک آزمائش کے طور پر دیا ہے۔

سمعی اور بصری ذریعوں میں دوسرا بڑا اہم ذریعہ ٹیپ ریکارڈ کا ذریعہ ہے جو خود عوام کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ مزید وقت ضائع کیے بغیر فوری طور پر سادہ، مؤثر اور آسان تحریکی لٹریچر منتخب کر کے اس کو ٹیپ پر نہایت دلکش انداز میں منتقل کر دیا جائے، تاکہ ان پڑھ عوام کی اکثریت اس سے اسی طرح استفادہ کر سکے جس طرح پڑھا لکھا طبقہ اس سے استفادہ کر رہا ہے۔

جب عوام کی اکثریت ذہنی طور پر مسلمان ہو گی تو توقع کی جا سکتی ہے کہ جن نمائندوں کو چنیں گے اور جو حکومت ابھرے گی وہ بڑی حد تک اسلامی رجحانات سے آراستہ ہو گی اور کم سے کم مخالفِ اسلام نہیں ہو گی۔ اور اگر ایسی حکومت کوئی غیر اسلامی حرکت کرے گی تو وہ خود بخود عوام کے لیے ناقابلِ برداشت ہو گی، لہٰذا وہ عوامی دباؤ کی وجہ سے اس صورت میں چل ہی نہ سکے گی، جب تک عوام کی اسلامی خواہشات کا احترام نہ کرے گی۔

لہٰذا ضروری ہے کہ تعلیم یافتہ نوجوان اور علمائے کرام شہروں، قصبوں اور دیہات کی ان پڑھ آبادیوں میں دینِ اسلام کی واقفیت پیدا کرانے میں فوری طور پر لگ جائیں اور اب مزید وقت ضائع نہ کریں۔ اِس مقصد کے لیے تمام جدید ذرائع ابلاغ جہاں تک ممکن ہو استعمال میں لائے جائیں۔

۱۱۔ اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن

حال ہی میں پاکستان میں اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن کے نام سے ڈاکٹروں کی ایک نئی تنظیم وجود میں آئی ہے۔ یہ تنظیم طب کے پلیٹ فارم سے اس ملک کی نظریاتی بنیادوں کے لیے نشر و اشاعت اور تعلیم و تربیت کا کام کرے گی۔ دوسرے کئی اسلامی ممالک میں بھی ایسی ہی تنظیمیں وجود میں آ چکی ہیں۔ یہ ساری تنظیمیں ایک بین الاقوامی فیڈریشن آف اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن سے وابستہ ہو چکی ہیں۔

ایک ڈاکٹر طالب علم، استاد اور بحیثیت ڈاکٹر کے روپ میں معاشرے کا فرد بنتا ہے، اسے تعلیمی ادارے اور معاشرے دونوں محاذوں پہ اپنا تحریکی کام جاری رکھنا چاہیے۔ ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے اس کا براہِ راست تعلق پڑھے لکھے اور ان پڑھ ہر قسم کے عوام سے ہے۔ مریض ہونے کی حالت میں انسان خدا کے سب سے زیادہ نزدیک ہوتا ہے۔ اسی مخصوص وقت پر ڈاکٹر اور مریض کے اس براہِ راست رابطے کو تحریکی اور نظریاتی مقاصد کے لیے پوری طرح استعمال ہونا چاہیے۔

بے شمار نفسیاتی امراض ایسے ہیں جو محض غیر دینی مادی کلچر کی پیداوار ہیں۔ اگر مریض کو اِن حالات میں اپنے خدا سے رابطہ اور اس سے رہنمائی حاصل کرنے کے بارے میں قائل کر لیا جائے تو مرض کے علاج میں بھی یہ بات بہت زیادہ کارآمد ہوگی اور خود مریض کی بقیہ زندگی میں بھی اسے سکونِ قلب نصیب کرے گی۔

اِسی طرح طبی اداروں اور ہسپتالوں میں غیر اسلامی رجحانات کے خاتمے اور دین کی نشرواشاعت میں ایک ڈاکٹر کو ایک مسلمان کی حیثیت سے اپنا فرض ضرور ادا کرنا چاہیے۔ ایک استاد کی حیثیت سے ایک ڈاکٹر اپنے طلباء کی نہ صرف پیشہ وارانہ تربیت کر سکتا ہے، بلکہ نظریاتی تربیت بھی۔ اور اسے اپنے اِس مشن میں کبھی بھی دوسرے مسلمان طبقے سے پیچھے نہیں رہنا چاہیے۔ (باقی)

مقالۂ خصوصی

حرم اور حج کی بے حرمتی

نعیم صدیقی

ہم ہر قسم کی فرقہ واریت کے سخت مخالف ہیں اور شیعہ سنی اتحاد کے داعی رہے ہیں۔ مگر یہاں جس صورتِ واقعہ پر گفتگو ہے وہ عالمِ اسلام کا ایک ایسا مجاری مسئلہ ہے کہ ہر طرف اضطراب ہے اور دو مسلم لیڈروں کے اختلافی موقف کو سامنے رکھ کر مغربی جرائد اور ذرائع ابلاغ ایک طوفان اُٹھائے ہوئے ہیں۔ یہ کوئی مناسب صورت نہیں کہ ہم اپنا ایک موضوع غیروں کے حوالے کر کے خود ان کے لیے جان قاری اور سامع بن جائیں اور ہماری کوئی رائے نہ ہو — ایک رائے یا دوسری رائے یا تیسری!

اس احساس کے ساتھ ہم نے یہ سطور لکھی ہیں کہ مسئلہ ہم مسلمانوں کا ہے اور ہمیں ہی پہلا حق پہنچتا ہے کہ اس پر رائے دیں یا تبصرہ کریں۔ (ادارہ)

۱ — عبادت ساری ہی خشیت اور تقویٰ اور اتحاد بین المسلمین کی فضا چاہتی ہیں خصوصاً حج جس میں حاجی ترکِ وطن اور ایک نوع سے ترکِ دنیا کر کے شریک ہوتا ہے اور لباس بھی کفن جیسا پہن کر عاجزی کا مجسمہ بن جاتا ہے اور پھر اللہ کی ذات کی طرف پوری طرح یکسو ہو کر پکارتا ہے۔ "لَبَّیْکَ، اَللّٰھُمَّ! لَبَّیْکَ" تو حرم کا پاکیزہ ماحول فسوق و جدال کا متحمل نہیں رہتا۔ رفث اور فسوق و جدال کو قرآن نے حج کے زمانے میں بالکل حرام کر دیا ہے۔ یہ تعظیمِ شعائر اللہ کا مقام ہے۔

اب اگر کوئی شخص یا گروہ یہاں خدا کے نام کے علاوہ کسی کی پکار بلند کرتا ہے، جتھا بندی کر کے فسوق و جدال ہی نہیں کرتا، بلکہ مظاہرہ اور فساد کر کے اور گزرگاہوں کو مجبوراً سے روک کر عامۃ الناس کے لیے اذیت رسانی کا سامان کرتا ہے تو شعائر اللہ کی تعظیم اور عبادتِ حج

کا احترام نہ کر کے توہینِ حرم کا ارتکاب کرتا ہے۔

۲ــــ "ایرانی انقلاب" سے پہلے حج کا سلسلہ امن و امان سے انجام پاتا تھا لیکن قم میں ایرانی انقلاب کو ایکسپورٹ کرنے کی پالیسی بنتے ہی جگہ جگہ ایرانی انقلابیوں نے شورش پسندی کا راستہ اختیار کر لیا اور بین الاقوامی یا بین الاسلامی کانفرنس میں اول تو شریک ہونے کو مرتبہ انقلابیت سے فروتر سمجھا گیا اور اگر کہیں شمولیت کی تو بات ہمیشہ ٹیڑھے رُخ کی کر کے گفتگو کی فضا کو خراب کر دیا گیا۔

سعودی عرب پر کرم خاص ہے۔

ایرانی ایک طرف تو یہ کوشش کر رہے ہیں کہ دنیائے اہلِ سنت میں جگہ جگہ سیاسی حلقوں اور خصوصاً اسلام کے علمبردار نوجوانوں میں سے کچھ قوت کو اپنے ساتھ ملائیں اور ہر دائرہ میں پھوٹ ڈلوائیں یا کم سے کم ایسی بحثا بحثی پیدا کر دیں کہ جو تحریکی کام وہاں ہو رہا تھا قابلِ عمل نہ ہو سکے، بلکہ نوجوانوں کی ساری اُمیدیں آہستہ آہستہ خمینی انقلاب سے وابستہ کر لی جائیں۔

یہی مدعا سعودی عرب میں ہنگامہ آرائی کا ہے۔ بلکہ ان کا خیال یہ ہے کہ بعض وجوہ سے دُنیائے اہلِ سنت کی یہ مرکزی قوت ہے اور اگر اس کو توڑا یا مضمحل کر دیا جائے یا اس میں مظاہروں یا شورش کی سیاست پھیلا دی جائے تو ایرانی مقصد بآسانی حاصل ہو سکتا ہے۔

چنانچہ سال بہ سال بڑھتی ہوئی تعداد میں ایرانی حج کے موقع پر آنے لگے اور ہر سال وہ منظم ہو کر اور ایک خاص تعداد لے کر شریکِ حج ہوئے اور اُن کی ہنگامہ آرائی پہلے بڑھتی چلی گئی۔

حالات یہ ہوں تو کیا ایرانی اور ان کے حامی یہ چاہتے ہیں کہ سعودی حکومت مظاہروں کی بھی چھٹی دے دے (ایران کو بھی اور دوسرے ممالک کو بھی)؟ حاجیوں کی زندگیوں اور امن کو خطرے میں پڑنے دیں۔ اور حرم کی توہین اگر سیاسی نعروں اور تصویروں کے ذریعے کی جائے تو اُسے بغیر جرأتِ مداخلت کے سب کچھ برداشت کرنا چاہیے۔

کیا ایران سمیت کوئی حکومت یہ گوارا کر سکتی ہے؟

۳ــــ اتفاق سے اس وقت مقامی اخبارات کے علاوہ برطانیہ کے ایک انگریزی اخبار کی نہایت مدلل اور اطمینان بخش رپورٹنگ اور اس سے بڑھ کر سعودی عرب کے

اخبار "الریاض" ۱۰ اگست کا شمارہ بہت سی خبریں، روئیدادیں، بیانات اور تصویریں لیے میرے سامنے ہے۔ اخبار کا ایک حرف نہ پڑھیے، صرف ان تصویروں کو دیکھ لیجیے، بڑے سے بڑے حامیٔ ایران کا دماغ درست ہو جائے، بشرطیکہ اللہ کا خوف اور بیت اللہ شریف کی محبت دل میں ہو۔

کیا نامعقول بھگدڑ مچائی گئی، کیا فضول قسم کے بینرز اٹھا کر لہرائے گئے، کیا واہیات سلوک ہے جو حرم، اہلِ حرم اور مہمانانِ حرم سے روا رکھا گیا۔

اس سلسلے میں فلمیں بھی بن چکی ہیں اور دنیا بھر میں دیکھی جا رہی ہیں۔

ایران کو اپنے پروپیگنڈے پر ناز ہے، مگر اسے علم ہونا چاہیے کہ پروپیگنڈے کے زور سے واقعیت کو یکسر اُلٹایا نہیں جا سکتا۔

۴ ــــ یہ سوال بعد کا ہے اور زائد از ضرورت کہ حکومت سعودی عرب نے ہنگامے کی روک تھام میں جو کارروائی کی وہ کس حد تک روا تھی اور کہاں سے اس کی ناروائی شروع ہوتی ہے۔

ہم تو ساری توجہ اس امر پر صرف کرتے ہیں کہ کس نے حرم اور شہر مکہ میں ایسا طوفان اُٹھایا، جس سے حاجیوں کے راستے رُکے اور گرمی کے اس زمانے میں ان کو سخت اذیت پہنچی اور ایک جارح گروہ کی طرف سے چڑھائی کا جو انداز سامنے تھا، اس نے ان کو تشویش و اضطراب میں ڈال دیا۔ اس خوفناک اور نامعقول کھیل کا آغاز کس نے کیا۔ کھیل اگر غلط تھا اور دوسروں کے لیے تکلیف دہ تھا اور اب تک کی دینی اور تاریخی روایات کے خلاف تھا تو حکومت کا فرض تھا کہ اسے روکے۔ ہزاروں افراد کے ایک منظم اور پُرجوش ہنگامے کی روک تھام کوئی سادہ سا معاملہ نہیں ہے کہ کسی افسر نے ایک حکم دیا اور ہنگامہ یا مظاہرہ کرنے والوں نے اُسے قبول کر لیا، بلکہ معاملہ تو مزاحمت و مقاومت کا تھا۔ جارح اور جوشیلے ایرانی جو چاقو اور رسیاں اور دوسرے سامان لیے ہوئے تھے وہ عام حاجیوں کے لیے تو انتہائی خطرناک تھے ہی، خود حکومت کے لیے ان کا پابندِ قانون حکم کرنا کوئی آسان نہ تھا۔ اب اس حساب سے کیا فائدہ کہ اتنے افراد مارے گئے اور

اتنے کیوں مارے گئے؟ اور اعداد و شمار صحیح بتائے جا رہے ہیں یا نہیں — وغیرہ۔

کبھی سعودی حکومت کے خلاف آپ جو چاہیں کہیں۔ حرم اور حاجیوں کے خلاف آپ نے جو کارروائی کی وہ سخت مجرمانہ ہے۔

۴ — حج سے دو دن قبل جمعہ کے روز حضرت خمینی کے حکم سے شیعہ ایرانی جلوس حاجیوں سے بھری ہوئی سڑکوں پر نکالا گیا، اُسے روکنے سے پہلے پہلے اور اُسے روکتے ہوئے ۴۰۲ افراد کی اموات ہوئیں، ان میں ۲۷۵ ایرانی، ۸۵ سعودی اور ۴۲ دوسرے ممالک کے حجاج تھے رپورٹ کہتی ہے کہ سعودیوں کا الزام یہ تھا کہ ایرانی جلوس بازوں نے حاجیوں کو نقل و حرکت کے قابل نہ چھوڑا۔ اور حرم کی بے حرمتی (انسانی تصویروں اور سیاسی نعروں اور ایک الگ جتھے کے تفرقہ پسندانہ مظاہرے سے) کی — اور پھر منتشر ہونے سے انکار کر دیا (جیسا کہ عموماً ہوتا ہے)۔ انہیں قرآن کی آیت بار بار پڑھ کر سنائی گئی۔ " لَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ " مگر انہوں نے کوئی پروا نہیں کی۔ سعودی ٹیلی وژن نے شیعہ جلوس بازوں کو موٹریں جلاتے ہوئے اور سنگ بازی کرتے ہوئے اور پولیس پر چاقوؤں سے حملہ کرتے ہوئے دکھایا ہے۔

قیاس آرائی یہ بھی ہے کہ خلیج میں امریکی دباؤ کے بڑھ جانے کی جوابی کارروائی کے طور پر سعودی عرب میں ہنگامہ کرایا گیا ہے۔

۵ — شورش پسندانہ کارروائیاں صرف سعودی عرب تک محدود نہیں رہیں، بلکہ ایران میں سعودی سفارت خانوں پر حملے کیے گئے۔ اور اس جارحانہ رویّے کا مظاہرہ کیا گیا جو انقلابیانِ ایران نے عمومی طور پر اپنا رکھا ہے۔

۶ — خدمتِ حجاج اور تعظیم حرمین کا جذبہ اگر ہوتا تو اُس کے لیے بہت اچھے اور مؤثر راستے اور طریقے تھے۔ ایرانی سفارت خانوں کا عام انتظام، ایران کی طرف سے گم شدہ افراد یا سامان کا کھوج لگانے کے لیے پارٹیوں کا تقرر، ایرانیوں کی طرف سے حاجیوں کے لیے کوئی خاص تحفہ جیسے بیٹی یا لٹکانے کا تھیلا، ایرانیوں کی طرف سے مدینہ میں کھانے یا چائے کا انتظام، لوگوں کو سستے داموں رہائشی انتظامات فراہم کرنا وغیرہ۔

لیکن ایرانیوں نے خدمت کا صحت مندانہ راستہ اختیار نہیں کیا جس کا اثر حاجیوں پر بہت اچھا پڑتا اور جذباتِ اخوت مضبوط ہوتے، سیاسی ہنگامہ آرائی کر کے لوگوں کی جانوں اور اُن کے امن اور اُن کے سکونِ عبادت کو تباہ کر کے ایرانیوں نے اُن کے اندر اپنے لیے محبت پیدا نہیں کی، بلکہ نفرت پھیلائی ہے۔

۷ — ایرانیوں کا یہ تجویز اُٹھانا اور بعض عناصر کا ان کی تائید کرنا کہ مکہ اور مدینہ کو دُنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے کھلا شہر قرار دیا جائے، کیونکہ سعودی حکمران حرمین کے اجارہ دار نہیں ہیں۔[۱]

پہلے تو اجارہ داری کے اس مسئلے کو لیجیے کہ ساری تاریخ میں قرونِ اولیٰ سے اب تک جزیرۃ العرب میں جس کی بھی حکومت رہی، اسی نے حرمین کا انتظام کیا (ترکی حکومت کی مثال قریب ترین ہے)۔ لیکن ان میں سے کبھی کسی نے کسی حکومت یا حکمران کو اجارہ داری کے طعنے نہیں دیے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نئے دورِ سیاست کی ایجاد ہیں، کیونکہ آجکل دلائل سے زیادہ طعنوں اور نعروں سے کام لیا جاتا ہے۔

پھر سوال یہ ہے کہ کھلا شہر کی مبہم اصطلاح کے متعین معنی آپ کے نزدیک کیا ہیں؟ ایک تصور یہ ہو سکتا ہے کہ یہاں آنے کے لیے کسی پاسپورٹ، ویزا اور گنتی اور نظم بندی کی ضرورت نہیں۔ ایک میلہ ہے جس کا جہاں سے جی چاہے چل کھڑا ہو۔ حکومت سعودی عرب کوئی ممانعت نہیں کر سکتی۔

اب ذرا اس دعوے کی روشنی میں یہ دیکھیے کہ کون کون اور کیسے کیسے لوگ آ سکتے ہیں۔ کیا کیا جرائم ہو سکتے ہیں۔ ایک غیر ملک میں کس نوع کے ہنگامے کھڑے کیے جا سکتے ہیں اسے تو چھوڑیے، یہ فرمائیے کہ جہاں یہ معلومات ہی نہ ہوں کہ کب کتنے افراد مکہ، مدینہ اور سعودی عرب میں باہر سے آ جائیں گے تو وہ کون سا کمپیوٹر ہوگا جو ان کے رہن سہن اور کھانے

[۱] اِس قسم کی مضحکہ انگیز تجویزوں کی تائید کرنے والے پاکستانی تو کم سے کم یہ سوچیں کہ اُن کی زمین پر سکھوں، بدھوں اور ہندوؤں کی بعض زیارت گاہیں ہیں۔ کیا ایسے تمام مقامات کو "کھلا" قرار دینے کے لیے اُن کا ذہن آمادہ ہو سکتا ہے؟

پینے کے تمام انتظامات کردے گا۔

پھر ذرا یہ بھی فرمایئے کہ کھلے شہر تو مکہ اور مدینہ ہوتے، حاجیوں کو ان شہروں سے نکل کر اور کسی حصہ ملک میں، کسی سڑک پر، کسی شہر میں، کسی ایئرپورٹ اور کسی بندرگاہ پہ تو نہیں جانا ہوگا۔

وہاں کوئی حکومت آنے اور جانے والوں کے معاملے میں کیا رویہ اختیار کرے گی۔ یہ جگہیں تو (OPEN) نہیں ہیں۔

اگر آپ کہیں کہ سارا ملک دنیا بھر کے لیے (OPEN) کر دیا جائے تو سیدھی طرح یہ کیوں نہ فرما دیجیے کہ سارے ملک کی حکومت کو تباہی کر والینی چاہیے، نہ اس کے کسی ملازم کی خیر، نہ کوئی قانون سلامت، نہ کسی عدالت کو کوئی اختیار، نہ پولیس اور فوج کی کوئی حیثیت۔ ہو بھی تو باہر سے آنے والا سیلاب اگر ۵۰ لاکھ افراد کا ہو اور لوگ خوب مسلح ہوں تو ان کا مقابلہ قانون یا نظم تو نہیں کر سکتا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ آپ یہ چاہیں کہ مکہ اور مدینہ میں آنے والے حاجی خواہ کسی بھی ملک کے ہوں اور کوئی بھی نظریہ رکھنے والے ہوں، ان کو حق ہے کہ اپنی سیاست کو پھیلاتے اور لوگوں کو اس سے مرعوب کرنے کی مختلف تدابیر اختیار کریں۔

ٹھیک ہے۔ مگر یہ حق صرف ایران کے لیے تو نہیں ہوگا۔ دوسرے ممالک کے لیے بھی ہوگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عراق اور شام اپنے اپنے لوگوں کی ایک تعداد کو جھنڈے اور تصویریں دے کر مظاہرے کے لیے تیار کر کے بھیجیں۔ قذافی صاحب نے کیا قصور کیا ہے کہ وہ انقلابی طوفان نہ اٹھائیں۔ "کمیونسٹ مسلمان" کیوں نہ اپنی انقلابی شوکت و جلالت کا مظاہرہ کریں۔ اسی طرح مسلمانوں کے اندر کے مختلف فرقے بھی، اور باہر کے مخالف تخریبی فتنے بھی، حتیٰ کہ قادیانی، منکرین حدیث، بابی، بہائی اور سیکولرسٹ تک کیوں پروپیگنڈے کے اس بہترین موقع کو ضائع کریں۔

دوسرے لفظوں میں عبادت کی نیت تو پہلے ہی دن ختم ہو جائے گی اور سیاست کاری اور پروپیگنڈہ بازی کی نیت سے حج ہوگا۔

جہاں تنہا خدا کا نام بلند کیا جاتا ہے، وہاں وسیوں سیاسی الٰہوں کے نام بلند ہوں گے،

جہاں حضورؐ نے سابق انبیاؑ کی بنی ہوئی تصویروں کو خود دیواروں سے صاف کیا، وہاں انبیاء کی نہیں بلکہ معمولی وقتی لیڈروں کی تصویریں ہر طرف پھیلی ہوئی ہونگی۔

اور ایران والوں نے اپنی حد تک یہ تماشا کر دکھایا ہے۔

اچھا فرض کیجیے، ہر ایک کو اپنے اپنے مظاہروں کی آزادی ہے اور اس کے نتیجے میں تصادم پیدا ہوتے ہیں، خونریزی ہوتی ہے، عوام کے انبوہ چکی کے دو پاٹوں میں پستے ہیں تو حکومت کے تو ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ وہ کچھ نہیں کر سکتی۔ پھر کیا ہر موسمِ حج پر لاکھوں مسلمانوں کو اتحاد کے بجائے افتراق کا مظاہرہ کر کے شہدا اور زخمیوں کے ساتھ اپنے اپنے ملک کو واپس جانا چاہیے اور وہاں جا کر یہ کہنا چاہیے کہ ہم بڑا جہاد کر کے آگئے ہیں۔

۸۔۔۔ اس کی ایک شکل یہ بتائی جاتی ہے کہ عالمِ اسلام کی حکومتوں کی ایک نمائندہ تنظیم اس ذمہ داری کو سنبھالے کہ وہ حرمین کی تعمیر و ترقی اور حجاج کے قیام و طعام اور نقل و حرکت کے لیے ضروری انتظامات کرے۔ اس کے لیے سب ممالک مل کر ہر سال فنڈ جمع کر لیا کریں۔ کیسی خوب صورت خیالی تصویر ہے، مگر ذرا سوچ کر بتایئے کہ آپ مسلمانانِ کرام نے اپنے اپنے ملکوں میں کس جزوی خدمتِ عامہ کی ذمہ داری کے لیے کوئی ایسی مشترک تنظیم بنا اور چلا رکھی ہو۔ آپ کسی دینی انتظام کو چلانے کے لیے سارے فرقوں کو جمع کر کے دکھایئے۔ آجکل خود نفاذِ شریعت کا عظیم الشان مسئلہ پاکستان میں ہے، اس کے متعلق بھانت بھانت کی بولیاں سنائی دیتی ہیں، ایم آر ڈی اور قومی کانفرنس کے معاملات سامنے ہیں۔ ملک ملک کی اسمبلی میں جوڑ توڑ اور سازشوں اور خرید و فروخت کا سلسلہ اوّل تا آخر جاری رہتا ہے اور ایک زیرِ سطح محاذِ جنگ برپا رہتا ہے، جس میں کامیابی پانے والا گروہ اقتدار پہ آجاتا ہے، دوسرا اپوزیشن میں آجاتا ہے، مگر وہ مخفی لڑائی آئندہ کے لیے جاری رہتی ہے۔

آپ میں سے ہر ملک کے نمائندے یہ چاہیں گے کہ وہ آگے آئیں اور بعض عناصر کے متعلق ان میں اتنی شدت ہوگی کہ وہ اُن کے ساتھ بیٹھنے پر بھی تیار نہیں ہوں گے۔

اچھا خیر، یہ کانفرنس کام کس طرح کرے گی؟ آیا ہر ملک سے پولیس اور فوج اور دوسرے محکموں کے دستے لائے جایا کریں گے، ہر ملک سے ٹرانسپورٹ وغیرہ بھی آیا کرے گی، ہر ملک

رسد بھیجنے کا وغیرہ - تو ان بیرونی فورسز کا معاملہ اندرونی فورسز کے ساتھ کیا ہوگا ؟ ٹریفک میں کیا ہوگا ؟ جرائم میں کیا ہوگا ؟ انتظامات کی نگہداری میں کیا ہوگا ؟ کیا دونوں قسم کی فورسز میں ٹکراؤ کا کوئی امکان نہیں ؟ اگر ٹکراؤ ہو جائے تو تدارک کیا ہوگا یا نتائج کیا نکلیں گے ؟

ایک شکل یہ بھی کہ قومی کانفرنس کے مقررہ افسر مقامی پولیس ، فوج ، عدالتوں ، ٹرانسپورٹ ، ذرائع ابلاغ اور دوسرے محکموں سے کام لیں - ایسی صورت میں سعودی کارندے دو حکومتوں کے کارندے ہوں گے ، ایک سعودی حکومت ، دوسری بین الاقوامی حکومت !

پھر کام کیسے چلے گا ؟

اور بیرونی مداخلت خود سعودی عوام یا رعایا پر کیا اثرات ڈالے گی ؟ اگر کسی ملک کی داخلی سیاست (وہ کسی غیر کے نقطہ نظر سے چاہے درست نہ ہو) میں باہر سے آکر کچھ قوتیں خلل اندازی کریں تو معاملہ کتنی خطرناک صورت اختیار کر سکتا ہے - پھر کیا سعودی حکومت کو بیرونی اکابر پر فرداً فرداً سی آئی ڈی مامور کرنی ہوگی اور غلط کارروائیاں کرنے والوں کو ملک سے نکال دینا ہوگا - ایسا ہوا تو پھر عالمِ اسلامی کی کانفرنس کی بالادستی تو نہ چل سکے گی -

اور اگر اس کانفرنس کو حسبِ ضرورت چندہ موصول نہ ہوا تو پھر وہ حرمین اور حاجیوں کی کیا خدمت کس طرح کرے گی ؟ سوال یہ بھی ہے کہ کون کتنا چندہ دے ، چندہ جبری ہوگا یا رضاکارانہ اور چندہ خوب فراخی سے جمع ہو جائے تو اس کو کون کون کس کس مد میں خرچ کرے - کیا ایرانی پروپیگنڈے اور جہاد پر بھی ؟ آج تو سعودی عرب کے حکمران خزانوں کے منہ کھولے ، حرمین کی خدمت اور حاجیوں کی سہولت کے لیے ہر سال بے تحاشا رقوم صرف کر رہے ہیں ، لیکن کسی دوسرے ادارے کو کیا کیا حالات پیش آ سکتے ہیں - پھر کیا جس سال کافی فنڈ موصول نہ ہو سکیں گے - اس سال بین الاقوامی کانفرنس اعلان کرے گی کہ ہم اس مرتبہ کوئی انتظامات نہیں کر سکتے - لوگ خود ہی جو بن آئے کریں - اور اگر اس طرح کے طرزِ عمل کے نتیجے میں حاجیوں میں شدید ردِ عمل پیدا ہو گیا تو اُن کے ہاتھوں کیا کیا کچھ ہو سکتا ہے - اس کا جواب بھی ایرانی دانشور دے دیں -

اگر ایران یہ پیش کش کرے کہ سارے اخراجات ہم اٹھاتے ہیں تو آن کو اچھی طرح سمجھ

لینا چاہیے کہ آج ہنگاموں میں ان کی جو بے ضابطہ بالادستی کام کر رہی ہے، اس سے بھی حاجیوں کی اکثریت کو اور مسلم اقوام کے لیڈروں کو نفرت ہے۔ چہ جائے کہ آپ سارا خرچ اپنے ذمے لے کر یا اس کا بیشتر بوجھ اٹھا کر مجوزہ بین الاقوامی کانفرنس کو جیب ہی میں ڈال لیں۔ یہ ممکن نہیں ہے، بلکہ کانفرنس کے اندرونی قضیوں میں تو بڑی اہمیت اس کی ہوگی کہ لوگ کسی گروہ کی ذراسی فوقیت کو بھی گوارا نہیں کریں گے۔

۹ — پس غور فرمایئے کہ جو کام سالہا سال سے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ چل رہا ہے۔ اور مسلمانانِ عالم سعودی حکمرانوں کے ممنون ہیں کہ انہوں نے دولت کو ذاتی عیش و راحت میں جھونکنے سے کہیں زیادہ رفاہِ عام پر خرچ کیا ہے اور رفاہِ عام پر خرچ کیا ہے اور رفاہِ عام سے بھی بھاری اخراجات توسیع و تزئین حرمین اور حاجیوں کے انتظامات کو وسیع اور بہتر بنانے میں کیے ہیں۔

خیر و خوبی سے چلتے ہوئے اس انتظام کو ایرانی نعرہ باز اور ان کے کوتاہ فکر حامی تباہ کر کے سعودی عرب کا سارا در و بست بھی تاراج کرنا چاہتے ہیں، حرمین کو بھی حالِ زار میں ڈالنا چاہتے ہیں اور حاجیوں کی جانوں اور امن و امان کو بھی خطرے میں ڈالنا چاہتے ہیں۔

کیا اس ساری تحریک میں اسرائیل کا تو کوئی حصہ نہیں؟

۱۰ — ہمارے مذہبی دانشور اور ایرانی انقلابی اور ان کے حامی سب یہ بتائیں کہ کسی ملک یا شہر کو کھلا قرار دینا تو بڑا معاملہ ہے، کیا مدعیان خود اس پر تیار ہیں کہ وہ اپنی اپنی مسجدوں اور امام باڑوں کو تمام مسلمانوں کے لیے کھلا قرار دیں۔ جو وقت پر آ جائے وہ اذان کہہ دے۔ جسے موقع ملے وہ نماز پڑھا دے۔ جس کی قسمت یاوری کرے وہ خطبے یا تقریر سے لوگوں کے ایمان تازہ کرے۔ کوئی سوال نہ ہو کہ مؤذن بریلوی تھا، یا امام وہابی تھا یا خطیب شیعہ ہے۔

کیا کوئی صاحب اپنے محلے کے گروہ کو اس پر تیار کر سکتے ہیں اور ہماری گذارش کی تائید کرتے ہیں۔ اگر نہیں کرتے تو پھر کسی ملک اور شہر کو کھلا قرار دینے کا مطالبہ نہ کریں۔ کرتے ہوں تو اب زبان بند کرلیں۔

۱۱ — ایک ضروری بات یہ نوٹ کر لی جائے کہ سلف کے کسی دینی امام یا بزرگ نے،

حتیٰ کہ کسی شیعہ سربراہ نے بھی حج کے مناسک میں یہ گنجائش کبھی نہیں دی ہے کہ مسلمان تو کجا، دشمنانِ اسلام کے خلاف بھی نعرہ بازی کی جائے اور مظاہروں اور جلوسوں سے حرم کے تقدس اور سکون کو خراب کیا جائے۔

آج اگر امام خمینی بقول ان کے مقرر کردہ ایرانی حج لیڈر جناب موسوی[1] خوئینیہ MUSAVI KHOEINIAH یہ فرماتے ہیں کہ حج کو کچل دینے والا (CRUSHING) حج ہونا چاہیے ورنہ پھر حج کچھ نہیں، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ چودہ سو سال کے اہلِ سنّت کے دینی شعور ہی کو نہیں خمینی صاحب نے شیعہ مفکرین و مدبرین (مجتہدین) کے کاملاً اجماعی نقطۂ نظر اور طرزِ عمل کی خلاف ورزی کی ہے[2]۔

۱۲۔ بعض لوگوں نے بہت ہی ریڈیکل انداز میں پوری اپروچ سے کام لے کر ایک تجویز گھڑی ہے۔ یعنی سعودی عرب کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ ایک تیل والا حصہ جس سے آمدنی ہوتی ہے، اُسے الگ کر دیا جائے اور دوسرا حرمین اور ان کو جانے والے راستوں اور بندرگاہوں کا علاقہ، اسے الگ کر دیا جائے۔ اوّل الذکر کی آمدنی مؤخر الذکر پر خرچ کی جائے۔ یعنی سعودی عرب کی دو حکومتیں ہوں اور دونوں میں یا تو اس سمجھوتے پر وفاق بنے یا کوئی تیسری قوت ان دونوں سے برتر ہو جو دونوں کو آن کی مقررہ حدود میں چلائے اور پھر اگر باہمی چپقلشیں جاری ہو جائیں تو ساری دنیا بھگتے۔

کیا عجیب احمقانہ تجویز ہے۔ کوئی دوسرا اُٹھ کے کہے کہ ایران کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے، یا برطانیہ، امریکہ، روس، چین وغیرہ مختلف ممالک کے لیے ایسے اشتغلے چھوڑے جائیں۔

---

[1] یا "مساوی"

[2] اس سلسلے میں دلچسپ ہے وہ نکتہ جو (IMPACT LONDON) نے رپورٹ میں لکھا ہے کہ اُس ہنگامے کا ایک اچھا نتیجہ تو یہ نکلا کہ تہران اور ایران کے دوسرے شہروں میں انقلابی اچھل کود دیا انقلابی بھنگڑے۔ (ن۔ ص) کا خوب موقع نکلا۔ (یہ ہیں برکاتِ حج: ن۔ ص) دوسرا اچھا نتیجہ یہ نکلا کہ عراق کے ساتھ جنگ کی وجہ سے جن ایرانیوں میں یاس و اضطراب تھا، ان کی ذہنی رَو کو موڑنے کا موقع نکل آیا۔

یہ کون سی جائز سیاست اور ڈپلومیسی ہو گی۔

۱۳۔ خمینی صاحب اور ان کے شیعہ چیلوں کو ایک اصول پلے باندھ لینا چاہیے اور وہ یہ کہ ایران میں یا کسی دوسرے ملک میں جائز تبدیلی وہی ہو سکتی ہے جو اس کے باشندوں کے خیالات ونظریات کی تبدیلی سے وجود میں آئے۔ لیکن جس ملک کی تبدیلی کی تحریک کوئی بیرونی ملک کرتا ہے یا جس کے لیے کوئی بیرونی حکومت وسائل اور افراد فراہم کرتی ہے اور اپنے ذرائع ابلاغ اور مالیات واسلحہ کو استعمال کرتی ہے وہ اگر کامیاب ہو جائے تو وہ ایک جبری سامراجی تبدیلی ہو گی۔ خمینی صاحب دنیائے اسلام میں یہ طرح نہ ڈالیں کہ ایک ملک کے شہری دوسرے ملک میں جا کر سیاسی ہنگامہ آرائی کریں۔ خصوصیت سے اس صورت میں جب کہ ان کو ایک ملک میں داخلے کی اجازت عبادت وزیارت کے لیے دی جا رہی ہو۔ صرف دینی تقاضے کی بنا پر شدید اعتقادی اختلاف کے باوجود سعودی حکومت ایرانیوں کی ایک بڑی تعداد کے لیے دروازے کھول دیتی ہے لیکن دین اور عبادت کے نام پر اس فراخ دلانہ مہمان داری سے اگر ناجائز سیاسی فائدہ اٹھایا جائے تو ساری دنیا نفرین بھیجے گی۔ اور اس امر کو جائز سمجھے گی کہ نہ صرف ایرانی حاجیوں کی تعداد کو حد میں رکھیں بلکہ اپنے ملک میں قیام اور حرمین میں ادائے شعائر کے لیے ایسی شرائط ان پر عاید کریں کہ وہ حرم کے تقدس کو، مسلمانوں کے امن کو اور ملت کے اتحاد کو برباد نہ کر سکیں۔

۱۴۔ آخری مختصر گذارش یہ ہے کہ حج کے موقع پر آج تک اکثر لوگوں کا طریقہ اپنے اختلافات کو لپیٹ کر الگ رکھ دینے کا رہا ہے۔ کم سے کم عارضی مدت کے لیے اتحاد کی ایک ظاہری کیفیت اچھی سوچوں کی رو کو تیز کر دیتی ہے۔ مگر شرمناک ہو گا کسی بھی فرد یا گروہ کا یہ طرز عمل کہ وہ مسلمانوں کے ظاہری اتحاد ہی کو پارہ پارہ نہ کرے بلکہ ان کے دلوں میں بھی ایک دوسرے کے خلاف زہر بھر دے۔

۱۵۔ ہم اپیل کرتے ہیں کہ ایرانی پروپیگنڈسٹ سعودی عرب کی مخالفت کا طوفان اٹھائے رکھنے کے بجائے سیدھی طرح ساری دنیائے اسلام سے معافی طلب کریں کیونکہ انہوں نے حرم پاک کی توہین اور شہر مکہ کی بے احترامی کے ذریعے دنیا کے لاکھوں حاجیوں کے دل دکھائے ہیں۔

۱۶۔ وزیر داخلہ سعودی حکومت نے پریس کانفرنس میں کہا کہ سعودی عرب حج پر با ایران سمیت عازمین حج کی تعداد پر کسی قسم کی پابندی عاید نہیں کرے گا۔ کانفرنس میں شرکت کے لیے مغربی ممالک سمیت دنیا بھر سے آئے ہوئے دوسو سے زائد ذرائع ابلاغ سے تعلق رکھنے والے افراد نے شرکت کی۔ سعودی وزیر نے کہا کہ ہم تمام مسلمانوں حتیٰ کہ چھوٹے چھوٹے ممالک کو بھی یقین دلاتے ہیں کہ انہیں فریضہ حج ادا کرنے کے لیے ہر قسم کا تحفظ اور مکمل سہولتیں دی جائیں گی اور ہم ایران سمیت کسی بھی ملک سے آنے والے کسی بھی عازمین حج کو نہیں روکیں گے۔ انہوں نے متنبہ کیا کہ اگر ایرانیوں نے حاجیوں کے روپ میں کوئی مجرمانہ حرکت کرنے کی کوشش کی اور حرم کے اندر گڑبڑ پیدا کرنے کی کوشش کی تو انہیں پوری طاقت کے ساتھ ایسا کرنے سے روکا جائے گا۔ پرنس نائف نے اپنی اڑھائی گھنٹے کی پریس کانفرنس میں اکتیس جولائی کو مکہ معظمہ میں ہونے والے واقعہ کا تفصیلی تجزیہ پیش کیا جس میں چار سو سے زائد افراد ہلاک ہوئے جن میں زیادہ تعداد ایرانیوں کی تھی۔ انہوں نے الزام لگایا کہ مقدس دن سات ہزار کے قریب ایرانیوں کا مظاہرہ سعودی عرب کے خلاف پہلے سے تیار کیا گیا منصوبہ اور ایک سوچی سمجھی سازش تھی۔ انہوں نے الزام عائد کیا کہ ایران کے انقلاب کے وقت سے ایرانی حکمرانوں نے سعودی عرب کی سلامتی کو نقصان پہنچانے کی کوششیں کی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ایران کی انتہاپسندی اس قدر زیادہ ہوگئی ہے کہ سعودی عرب کے خلاف اس کا پروپیگنڈہ اس کے خلاف جنگ لڑنے والے دشمن عراق سے بھی زیادہ شدت کا ہے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ سعودی عرب نے مظاہرین کا راستہ اس وقت روکا جب اسے یقین ہوگیا کہ وہ حرم میں داخل ہونے پر تلے ہوئے ہیں اور وہ ایسے مقام پر پہنچ گئے ہیں کہ ان کے ساتھ کسی قسم کی نرمی سے وہ حرم میں داخل ہو سکتے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ اگر ایسا کرنے کی اجازت دے دی جاتی تو ہزاروں حاجیوں کی جانیں خطرے میں پڑ جاتیں۔ انہوں نے اس دعوے کو دہراتے ہوئے بتایا کہ اگر ایسا ہو جاتا تو مرنے والوں کی تعداد چند ہزار ہو جاتی — انہوں نے اس پر زور دیا کہ سعودی انتظامیہ نے مظاہرے کی اجازت نہیں دی تھی، لیکن حدود میں رہ کر اسے برداشت کیا اور اس بات کو روکا جو کہ ایرانی کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ ایک سوال کے جواب میں پرنس نائف نے اس واقعہ کے بارے میں پاکستان کی طرف سے موافقانہ موقف کی حکومت سعودی عرب کی طرف سے تعریف کی۔ اور کہا کہ سعودی عرب اور اس کے عوام نے دونوں ملکوں کے

درمیان پائے جانے والے برادرانہ جذبات کا ہمیشہ خیر سگالی میں جواب دیا ہے۔ ایک اور سوال کے جواب میں انہوں نے الزام عائد کیا ہے کہ ایرانی حکمرانوں اور اسرائیل میں ایک خاص تعلق قائم ہے! اور سوال کیا کہ وہ جو دعویٰ کرتے ہیں کہ مکہ کو آزاد کرانا چاہتے ہیں وہ القدس کو آزاد کرانے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ وہ وقت دور نہیں جب ایران کے سانحہ تاریخی کا زوال اور اچھے ہمسایوں کے سے تعلقات بحال ہو جائیں گے، لیکن یہ صرف اس وقت ممکن ہو گا، جب ایرانی اپنی غاصب قیادت سے نجات حاصل کر لیں گے، جو انہیں موت کے منہ میں لے جا رہی ہے۔

نوٹ بہ سلسلہ مطبوعات

ہم مستقلاً یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ ہمارے صفحاتِ مطبوعات کے مقابلے میں کُتبِ تبصرہ ہمیشہ زیادہ ہوتی ہیں۔ پھر بڑی کتابوں کے علاوہ چھوٹی کتابیں، پھر رسالے، پھر پمفلٹ۔ ہمارے لیے یہ ہرگز ممکن نہیں کہ جلد جلد تمام موجودہ کتابوں کا تعارف پیش کر سکیں اور نہ یہ ممکن ہے کہ ہر چھوٹی کتاب اور رسالے اور پمفلٹ کے مندرجات پر تفصیلی بحث کر سکیں۔ جن حضرات کو ہمارے اس نظامِ تعارفِ کتب سے تسلی نہ ہو، وہ اپنی کتاب کا اشتہار منیجر ترجمان القرآن کو بھیج دیا کریں۔ اس مرتبہ بھی میں نے دس صفحات کا مواد لکھ دیا ہے۔ اس میں سے چند چیزوں ہی کو جگہ ملے گی۔ (ادارہ)

مطبوعات

سیرت احمد مجتبیٰ | مؤلف: شاہ مصباح الدین شکیل - ایم اے - ایل ایل بی -

ناشر: پاکستان اسٹیٹ آئل کمپنی لمیٹڈ۔ داؤد سنٹر مولوی تمیزالدین خاں روڈ، کراچی۔

آئیل پراڈکٹس کی اصطلاح تو آپ نے سنی ہوگی - اور ایسی بیسیوں چیزیں آپ کے ذاتی اور گھریلو استعمال میں ہوں گی - جو زیادہ اہم ہیں وہ ترجیران کن ہیں - مگر آج ہمارے سامنے پاکستان اسٹیٹ آئیل کمپنی نے ایک نیا "آئیل پراڈکٹ" پیش کیا ہے، بلکہ کہنا چاہیے کہ "ایمانی پراڈکٹ" اور وہ ہے سیرتِ احمد مجتبیٰ کا پہلا حصہ جو ۵۱۲ سے زائد مجلد صفحات پر مشتمل ہے - کچھ لوگ پٹرول میں سے صرف ڈالر حاصل کرتے ہیں، مگر یہاں پٹرول ذریعہ بنا ہے، محبتِ رسالت کی شمعوں کو روشن رکھنے کا - سبحٰن اللہ!

نیک آدمی جہاں ہوں، وہ ہر ماحول میں خدا کی عبادت اور انسانوں کی خدمت کا کوئی نہ کوئی راستہ نکال لیتے ہیں - اس نیکی کا ایک سہرا تو سعید ابراہیم صاحب (مینیجنگ ڈائریکٹر پاکستان اسٹیٹ آئیل کمپنی) کو جاتا ہے، جن کے دل میں یہ بات راسخ ہوئی کہ "اللہ کے آخری نبیؐ کا پیغامِ رحمت مایوس انسانیت کے لیے آبِ حیات ہے۔" پھر اُنہوں نے کمپنی کے ترجمان پی ایس او ریویو میں (ماہ ربیع الاوّل ۱۳۹۷ھ سے) ہر سال سیرتِ پاک پر ایک نمبر نکلوانے کا اہتمام کیا - دوسرا بڑا اعزاز شاہ مصباح الدین شکیل کے لیے ہے جن کی علمی شخصیت کو سعید ابراہیم صاحب نے اپنے ادارے سے اس خاص کام کی ذمہ داری سونپی - اور پبلک ریلیشنز ڈیپارٹمنٹ میں اسلامی تعلیمات اور تاریخی واقعات کی تحقیق کا ایک شعبہ قائم کیا - خصوصی نمبروں میں تین حصے شائع ہوئے: ۱- ولادت سے

غارِ حرا تک - ۲ - غارِ حرا سے ہجرتِ حبشہ تک - ۳ - ہجرتِ حبشہ سے مسجد قبا تک - راقم نے اُسی صورت میں مصباح الدین شکیل صاحب کے دینی، علمی و تحقیقی کام کی قدر پہچانی اور ساتھ ہی پی ایس او کے پیش کردہ حسنِ طباعت کے علاوہ مفت تقسیم کے انتظامات کو بڑی گراں بہا خدمت سمجھا - آج یہ تینوں حصے یک جا ایک ایسی کتاب کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں، جو مزاج کے لحاظ سے ایمانی، جائزہ و واقعات کے لحاظ سے تحقیقی اور معلومات جمع کرنے کے لحاظ سے، تیز مختلف نقشوں اور غزوات اور ہجرتوں اور دوسرے مواقع کے افراد کی فہرستوں کے لحاظ سے نہایت بڑا افادیت ہے - سعید ابراہیم صاحب اور مصباح الدین شکیل صاحب نے دونوں جہانوں کے لیے ایک خزانہ بے حساب جمع کیا ہے - چاہیے کہ نوجوان اسے پڑھیں، کیوں کہ سیرت پاک کے واقعاتی مدوجزر کا جائزہ لیے بغیر قرآن و حدیث کے بہت سے نکات فہم میں نہیں آتے - اور نہ دلوں کو والہانہ انقلابی عزم ملتا ہے - قیمت درج نہ ہونے کی وجہ سے خیال ہے کہ کتابی شکل میں بھی یہ نعمت بلا قیمت اہلِ قسمت تک پہنچائی جائے گی - ایسا ہو تو بڑا فیض عام ہوگا - قیمت کچھ بھی ہو تو آج کل کے طباعتی مصارف کو دیکھتے ہوئے کسی کے لیے ہرگز بار نہ ہوگی -

---

رسالہ انصاف | ماہنامہ رسالہ روہنگیا سالڈیریٹی آرگنائزیشن کا ترجمان

مقامِ اشاعت : اراکان - برما -

اُس انگریزی زبان کے رسالے کے مختلف مضامین میں روہنگیا یعنی اراکانی مسلمانوں کی اب تک کی تاریخ کے ساتھ اُن کی موجودہ مصیبت زدگی کی تصویر پیش کی گئی ہے - یہاں مسلمانوں کی حکومت قائم رہ چکی ہے - پھر انگریزی استبداد کا دور آیا - اراکانی مسلمانوں نے برطانیہ سے دری جنگ آزادی میں حصہ لیا - پھر برمی بدھسوں کی مسلم دشمن حکومت قائم ہوئی - برٹش حکومت کے رخصت ہوتے ہی مسلمانوں کے خلاف فساد کی ایسی آگ بھڑکائی گئی کہ ۱۹۴۲ء میں ایک لاکھ مسلمان اس آگ کا ایندھن بن گئے -

مسلمانوں سے ایک دستوری ہیر پھیر کے ذریعے برمی قومیت چھین لی گئی۔ پھر ان کی جانوں اور جائیدادوں پر حملے کیے گئے۔ ان کی ایک بڑی تعداد کو ملک سے دھکیل کر ایک بار باہر نکالا گیا۔ پھر بنگلہ دیشی حکومت سے بات چیت کے بعد کچھ تعداد واپس لی گئی۔ واپسی کے بعد ان کو مزید ستایا جانے لگا۔ اس وقت دس لاکھ افراد، بنگلہ دیش، پاکستان، عرب ممالک اور دوسری جگہوں پر بے گھر پڑے ہیں۔ جو لوگ باقی ہیں ان سے مطالبہ ہے کہ وہ فی فرد زمین کی کاشت کر کے ہر ایکڑ میں سے ۵ ٹوکرے دھان روزانہ فی ٹوکری ۳۲ سیر مہیا کریں۔ یہ چونکہ ناممکن ہے اس لیے روہنگیا مسلمانوں کو مارا جاتا ہے، جیل میں ڈالا جاتا ہے، ان کے گھر اور سامان کو منہدم کر دیا جاتا ہے۔ ان کے تعلیم یافتہ افراد کو ملک سے نکال دیا گیا ہے تاکہ نہ قیادت میں حصہ لے سکیں، نہ سیاست یا عہدوں میں۔

ان روہنگیا مسلمانوں اور بھارت کے مسلمانوں (میرٹھ کے حالیہ فسادات) کو سامنے رکھیے اور یوگوسلافیہ کے مسلمانوں وغیرہ کے بارے میں مسلمان ممالک کو مل کر یہ پالیسی بنانی چاہیے کہ جہاں جہاں مسلمان مظلوم ہیں وہاں وہ تجارتی معاملات نہیں کریں گے۔ وہاں کے آدمیوں کو اپنے ہاں کام نہیں دیں گے۔ ایسے ممالک کی کمپنیوں کو تعمیراتی ٹھیکے نہیں دیں گے۔ اور ان کے لیے اپنے ہوائی اڈے اور بندرگاہیں بند کر دیں گے۔ دوسرا بڑا کام یہ کرنا چاہیے کہ بین الاقوامی عدالت میں بنیادی حقوق کی تباہی اور نسل کشی کے مقدمے دائر کر کے کوئی کمیشن برائے تحقیقات مامور کیا جائے۔ ہمارے ممالک کے سفارت خانے جہاں جہاں ہوں۔ وہاں مسلم کش فسادات یا پالیسیوں کی صورت میں حکومتوں سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ عالم اسلام کے مقرر کردہ کمیشن کے ذریعے مسلمانوں کے حالات کا تفصیلی جائزہ لینے کے لیے موقع فراہم کریں۔ چوتھا کام یہ کرنا چاہیے کہ عالم اسلام میں کسی اچھی جگہ جو علیحدہ بھی ہو، ایک بڑا مہاجر کیمپ تعمیر کیا جائے۔ اور آبادی کی ساری ضروریات مہیا کی جائیں۔ تمام مصیبت زدہ مسلمانوں کو پناہ گاہ فراہم کی جائے۔ اگرچہ ہر جگہ جہاد ہے، وہ جس حد تک مصیبت برداشت کر کے حالات کا مقابلہ کر سکتا ہو، ضرور کرے، لیکن جو لوگ ملک سے نکال دیے جائیں یا نکلنے پر مجبور کر دیے جائیں، ان کے لیے دوسری جگہ پر مستقل انتظام ہونا چاہیے، تاکہ ان کے بچے بھی خراب ہوتے نہ پھریں اور ایسے حالات پیدا نہ ہوں کہ مسلمان غیر مسلموں کے درمیان

نا مطلوب جذبات کام کرنے لگیں۔

اس رسالے میں مختلف مضامین ہیں۔ مثلاً ۲۰۰ سالہ نوآبادیاتی دور پر ایک تاریخی مضمون ہے۔ جہاد کے متعلق آیات درج ہیں۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل رپورٹ ۱۹۸۶ء شامل ہے۔ عالمی پریس نے ۳۷ سال قبل روہنگیا مسئلے کو جب پہلے پہل چھیڑا تھا تو اس وقت کی بعض مختصر رپورٹیں شریک اشاعت ہیں۔

یہ رسالہ گویا ہمارے بھائیوں کی دردناک تاریخ کے ابواب کی جھلک دکھا رہا ہے۔

نونہال - اشاعتِ خاص ۱۹۸۷ء | مدیر: مسعود احمد برکاتی - پتہ: ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی ۱۸ صفحات: تین سو سے زائد۔ قیمت: ۱۰/- روپے

حکیم محمد سعید صاحب نے "ہمدرد" کو ایک ایسا سرچشمۂ خیر و برکت بنا دیا ہے جس سے طرح طرح دھارے پھوٹتے ہیں۔ پھر خوبی یہ کہ ہر شعبے اور ہر کام پر ایسی بھرپور توجہ کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے حکیم صاحب خاص یہی کام کرتے ہیں۔

آپ جاننا چاہیں گے کہ بچوں کے اس رسالے میں کیا ہے؟ ہم جواب میں کہیں گے کہ بچوں کی ذہنی ضرورت کے لحاظ سے اس میں کیا نہیں ہے۔ کہانیاں ہیں واقعاتی بھی، جنات کی بھی، سائنس کی بھی، جادوگروں کی بھی۔ پھر عجائبات و معلومات ہیں۔ سمندروں کے متعلق، قطب جنوبی کے متعلق، آسمانوں اور ستاروں سے متعلق سائنس کی باتیں ہیں، ریڈار اور لیزر شعاعوں کے متعلق۔ پھر "طب کی روشنی میں" کے عنوان سے سوال جواب ہیں۔ اور اس حصے کے مرتب خود حکیم محمد سعید صاحب ہیں۔ نفسیات کا ایک مسئلہ ہے کہ ہمیں ڈر کیوں لگتا ہے۔ انسانی جسم کے متعلق چند حقائق ہیں۔ کھیل کی باتیں ہیں۔ جغرافیائی معلومات ہیں، معمے ہیں۔ لطیفے ہیں، مزاحیہ تحریریں ہیں۔ جانوروں کا مطالعہ ہے۔ تصویریں اور مصوری کے کھیل بھی۔ بچوں کی لکھی ہوئی نظمیں، کہانیاں اور خط۔

اس کے ساتھ ایک پمفلٹ "سب سے بڑے انسان" (یعنی پیارے نبیؐ کی پاک زندگی کا بیان) مفت۔

اب آپ اس رسالے کو حاصل کیے بغیر کیسے رہیں گے؟

ماہنامہ فاران۔کراچی | مدیر: اسمٰعیل احمد مینائی۔ مقامِ اشاعت: دفتر فاران، ڈی ۳۵/ بلاک ۸۔ گلشن اقبال کراچی ۴۷۔ قیمت فی پرچہ ۵/ روپے۔ موجودہ خاص شمارہ ۲۰/ روپے چندہ سالانہ ۵۰/ روپے۔

یہ مرحوم برادرم ماہرالقادری کا بناکردہ رسالہ ہے۔ اس لیے اس کا ورق ورق اور لفظ لفظ عزیز۔ اس کے ایڈیٹر بھی راقم ناچیز کے ساتھ اتنے والہانہ جذبات رکھتے ہیں اور میں نے ایسی بشاشت ان میں دیکھی ہے کہ جب تصور آتا ہے، سرور سا چھا جاتا ہے۔

روحِ دینی کے ساتھ فروغِ ادب کا علمبردار اپنی نوعیت کا یہ ایک ہی رسالہ ہے۔ اس نمبر کے اداریہ میں "ادب میں اباحیت کے غلبے" پر گفتگو ہے۔ اور حال یہ ہے کہ یہاں ساری زندگی ہی مفتوحِ اباحیت ہوتی جارہی ہے۔ بہرحال مینائی کی دردمند روح تڑپتی ہے۔

غالب پر چند اہم مضامین، جن میں احتسابِ غالب بھی ہے، نستعلیق رسم الخط پر گفتگو، مترادفات اور ان کا فرق، مولانا آزاد کا شعری ذوق، حافظ لدھیانوی کی حمد کے علاوہ نظمیں اور غزلیں اور رباعیات۔ ایک خاص چیز حسن مثنیٰ ندوی کا طویل مکتوب ہے جو سید احمد عروج قادری مرحوم کے متعلق لکھے گئے ایک مضمون کے متعلق حیطۂ تحریر میں آیا ہے۔ (ندوی صاحب اور قادری صاحب میں عزیزداری تھی)۔

مضمون نگاروں کے نام لکھنا مشکل، لیکن آٹھ دس تو بہت ہی معروف شخصیتیں شریکِ ترتیب ہیں۔

میں بہت شرمسار ہوں کہ فاران میں کبھی کچھ لکھ نہ سکا، نہ سلسلۂ خط وکتابت چلا۔

پاکستان میں صحافت کا کردار از جناب سید نظر زیدی - ناشر: انجمن اصلاحِ معاشرہ۔ ۲۹ اے - ریواز گارڈن، لاہور ۲

ہمارے دوست سید نظر زیدی ایک صاحبِ نظر قلم ران ہیں۔ صحافت جو قوموں کی تعمیر و تخریب کا ذریعہ بنتی ہے، وہ آجکل پاکستان میں جس روش پر چل رہی ہے، اس کا جائزہ زیدی صاحب نے لیا ہے، اور خوب لیا ہے۔ صحافت کا صحیح کردار بتانے کے بعد پانچ ایسی خرابیوں کا ذکر کیا ہے جو اخبارات کے ذریعے پھیل رہی ہیں۔ بعدہٗ "ایک جائزہ" میں خبروں، جرائم کی خبروں، اشتہارات، یک رنگ اور رنگین تصاویر، مختلف مضامین، اداریوں اور فکاہی کالموں پر ایک نظر ڈالی ہے۔ اور اچھی خاصی نقشہ نویسی اور تصویرکشی کر دی ہے۔ آخر میں اخبارات کے لیے ایک ضابطۂ اخبارات کی ضرورت پر توجہ دلا کر سات نکاتی ضابطہ پیش کیا گیا ہے۔

اور کوئی پڑھے نہ پڑھے، اخبارات کے مالکان اور مدیران اور کالم نویس اور مضمون نگار ضرور پڑھیں۔

شریعت بل اسلام کے مطابق نہیں! من جانب: جماعت المسلمین، مسجد المسلمین، کوثر نیازی کالونی، نارتھ ناظم آباد - بلاک جی - کراچی ۳۳

اعتراض تو ایسا ہے کہ گویا جو کچھ جس طرح ہے اسی کو برقرار رہنے دیا جائے (یہ اسلام کے مطابق ہے!)۔ اشکال یہ پیش کیا گیا ہے کہ اسمبلی میں شریعت بل کو تجویز کی صورت میں ماننے نہ ماننے کی گنجائش ہونے کے معنی یہ ہیں کہ متعلقہ لوگوں کے ایمان کی نفی ہے۔ حضرت والا! خدا کا دین برحق، مگر چلے گا تو جبھی کہ جب کوئی فرد اسے اپنے لیے مانے گا۔ اسی طرح کسی ادارے میں وہ تب چلے گا جب وہ ادارہ مانے گا۔ کسی حکومت یا اسمبلی میں تب چلے گا جب وہ حکومت یا اسمبلی مانے گی۔ (فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ) جو نہ ماننا چاہے نہ مانے، جسے ماننا ہے وہ مانے گا اور اسی سے تمیز ہوگی کہ کہاں مضبوط ایمان ہے

اور کہاں کمزور ایمان ہے، کہاں جذباتی ایمان ہے، کہاں شعوری، کہاں کفر ہے اور کہاں شرک اور کہاں نفاق!

اسلامی حکومت قائم ہونے کا طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ اس کام کے لیے مطلوبہ مسلم جب برسر اقتدار آئے گا تو وہ آتے ہی اسلامی حکومت کا اعلان کر دے گا۔ (ص ۱۹ - ۲۰) یعنی فی الحال آرام سے اپنے اپنے مشاغل میں لگے رہو اور کمیونسٹوں کو، نسل پرستوں اور علاقائیت پسندوں اور چانکیا ئیت کو اور صہیونیت کو اور تخریب کاری اور جرائم کو خوب پنپنے دو۔ آخر کبھی نہ کبھی آنے والا آ ہی جائے گا! سبحٰن اللہ!

محبت فاتح عالم | ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان - ناظم آباد - کراچی ۱۸

حکیم سعید صاحب علم و اخلاق کے فروغ کے لیے نت نئی راہیں نکالتے اور تجربے کرتے رہتے ہیں۔ ایک سلسلہ انہوں نے "مشاعرۂ ہمدرد نونہال" کا شروع کیا ہے۔ ایسے ہی ایک مشاعرے میں "محبت فاتحِ عالم" کے عنوان سے نونہالوں نے جو نظمیں پیش کیں، ان کا ایک مجموعہ (غیر کتابی صورت میں) ہمیں موصول ہوا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نئی نسلوں میں بھی دین و وطن کے لیے محبت و وحدت کے جذبات موجود ہیں، نیز بچوں سے کام لینے کی راہیں نکالی جائیں تو وہ حیرت ناک حد تک حصہ لیتے ہیں۔

فضول خرچ | محمد اکرم قریشی ایم اے۔ ناشر: احیائے دین لائبریری - مسجد ضلع کچہری سیالکوٹ

منفقہ شریعت بل | احیائے دین لائبریری - مسجد ضلع کچہری - سیالکوٹ۔

ایک سوال | جناب راحت گل - مرکز علوم اسلامیہ راحت آباد - پشاور۔ سرکاری تعلیمی نظاموں پر تنقید۔

آوازِ حق | ابن عبدالشکور - مکتبہ ذکری رام پور - بھارت - پاکستان میں اسلامک پبلیکیشنز لاہور سے طلب کیجئے - قیمت ۲۵ ء ۱

مولانا گلزار احمد مظاہری مرحوم

کی شخصیت، دینی و تحریکی خدمات پر زیرِ ترتیب کتاب کے لیے مولانا مرحوم کے تحریکی رفقاء، علماء کرام، احباب، طالب علموں اور کارکنانِ تحریکِ اسلامی سے درخواست ہے کہ مولانا مرحوم کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں اور ذاتی حوالے سے اپنی یادداشتیں، خطوط، تقاریر کے کیسٹ اور دستاویزات میں ارسال فرمائیں، جو استفادے کے بعد شکریہ کے ساتھ واپس کر دی جائیں گی۔

محمد سعید ۔ ناظم علماء اکیڈمی، منصورہ ۔ ملتان روڈ، لاہور ۱۸

فون نمبر: ۴۳۱۵۹۱